Phone 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

کنونشن نمبر اپریل ۱۹۶۶ء

شائع کردہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی گلبرگ لاہور

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

اس کتاب کا برسوں سے انتظار تھا

اسلام کیا ہے

پرویز

ہمارا یہ دعویٰ ہے (اور مبنی برایمان دعویٰ) کہ اسلام، نوع انسان کی تمام مشکلات کا حل پیش کرتا ہے۔ لیکن جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ اسلام ہے کیا تو مختلف گوشوں سے مختلف آوازیں اٹھتی ہیں جن کا ماحصل نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے مسائل سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اسلام صرف یہی ہے تو اس سے زندگی کے مسائل کا حل نہیں مل سکتا۔

اسلام ایک نظام حیات ہے جس کی بنیادیں چند غیر متبدل تصورات پر قائم ہیں۔ جب تک یہ تصورات واضح طور پر سامنے نہ آئیں، اسلام بحیثیت ایک نظام حیات کے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ضرورت تھی کہ ان تصورات کو واضح اور دل کش انداز میں یکجا پیش کیا جائے ـــــ یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کردیتی ہے۔

کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں سے ہر باب مصنف کے مدت العمر کے مطالعہ اور تدبر فی القرآن کا ماحصل پیش کرتا ہے۔ یہ کتاب:

(۱) ہمارے مذہب گزیدہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ میں آجائے تو انہیں علیٰ وجہ البصیرت اسلام کا گرویدہ بنا دے۔ اور

(۲) غیر مسلموں کے ہاتھ میں دیدی جائے تو اسلام کے متعلق ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

کتاب قریب پونے چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور دو اقسام میں شائع کی گئی ہے۔

قسم اول۔ اعلیٰ سفید کاغذ۔ مضبوط جلد۔ حسین گردپوش۔ قیمت فی جلد۔ آٹھ روپے۔

قسم دوم۔ ٹکنیکل پیپر۔ بکس بورڈ کور۔ قیمت فی جلد۔ چار روپے۔

فرمائش کے ساتھ اس کی تصریح کردی جائے کہ کونسی قسم کی جلد مطلوب ہے۔

ملنے کا پتہ۔ ادارہ طلوع اسلام ـ ۲۵ بی ـ گلبرگ ـ لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

بدل اشتراک
پاک و ہند سے سالانہ دس روپے
غیر ممالک سے سالانہ ایک پونڈ

قیمت فی پرچہ
پاک و ہند سے۔ ایک روپیہ

ٹیلیفون ۸۰۸۰۰

خط و کتابت کا پتہ
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
۲۵/بی، گلبرگ، لاہور

جلد ۱۹ | اپریل ۱۹۶۶ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

(۱) لمعات ——— ۲
(۲) طلوعِ اسلام کنونشن کی روئیداد ——— (صفدر سلیمی صاحب) ——— ۱۳
(۳) قرار دادیں ——— ۳۲
(۴) آپ آگئے تو رونقِ کاشانہ ہو گئی ——— (پرویز صاحب) ——— ۳۶
(۵) استقبالیہ ——— (مرزا محمد خلیل صاحب) ——— ۴۵
(۶) رپورٹ ناظمِ ادارہ ——— (صفدر سلیمی صاحب) ——— ۴۸
(۷) میرا پیغام (طلوعِ اسلام کنونشن سے خطاب) ——— (پرویز صاحب) ——— ۵۷-۸۸

(ایڈیٹر صفدر سلیمی۔ ناشر سراج الحق۔ مقامِ اشاعت ۲۵/بی گلبرگ لاہور۔ پرنٹر شیخ محمد اشرف۔ مطبوعہ اشرف پریس ایبک روڈ لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

علامہ اقبالؒ نے کہا ہے۔

خداوندا! خدائی دردِ سر ہے

یہی وہ دردِ سر ہے جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دنیا میں مشکل ترین کام حکومت کرنا ہے (ہم بات سمجھنے کی خاطر حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وہ ہیئتِ حاکمیہ جس کا کام امورِ مملکت سے متعلق فیصلے دینا ہوتا ہے۔ اسے سربراہِ مملکت سے تعبیر کیجئے خواہ وہ ایک فرد ہو یا ایک جماعت اور دوسرا حصہ اس مشینری پر مشتمل ہوتا ہے جو ان فیصلوں کو بروئے کار لاتی ہے۔ اسے عمالِ حکومت کہا جاتا ہے۔) اگر سربراہِ مملکت صحیح فیصلے نہ کرے تو وہ مملکت تباہ ہو جاتی ہے۔ اور اگر عمالِ حکومت ان فیصلوں کو بہ طریقِ احسن بروئے کار نہ لائیں تو ملک میں بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ انتشار بھی ہوتا ہے اور مایوسی بھی۔ سالِ گزشتہ بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کے عواقب کے سلسلہ میں جو کچھ یہاں ہوا اس کا اگر ٹھنڈے دل سے تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ اس میں فیصلوں کی کوئی ایسی غلطی نہیں ہوئی جس سے مملکت کے مفاد پر کسی قسم کی زد پڑتی ہو۔ لیکن ان فیصلوں کو جس انداز سے بروئے کار لایا گیا وہ بڑا ناقص تھا اور ملک میں جو ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے یا جو فضا پیدا ہو گئی اس کی بیشتر وجہ یہی تھی۔ یہ واقعات ہنگامی تھے اور ان کا نقصان وقتی اور قابلِ تلافی تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک نقصان ایسا بھی ہوا ہے جو ہمارے نزدیک بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے اثرات بڑے دور رس ہیں۔ صحبتِ امروزہ میں ہم اسی نقصان کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

ہم میں سے جو لوگ تحریکِ حصولِ پاکستان میں کسی نہ کسی حیثیت سے شریک تھے یا جنہوں نے اس کشمکش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مطالبۂ پاکستان کی بنیاد کس دعویٰ پر تھی دو لفظوں میں وہ بنیاد یہ تھی کہ مسلمان دین کی بنا پر اپنا جداگانہ تشخص رکھتے ہیں۔ اور اس بنا پر یہ اور ہندو، اشتراکِ وطن کی بنیادوں پر ایک نہیں ہو سکتے۔ حصولِ پاکستان کے بعد اس کی یہ اساسی بنیاد نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ بزرگانِ قوم لوٹ میں مصروف ہو گئے اور نئی پود کو کسی نے یہ بتانے کی زحمت تک گوارا نہ کی کہ ہماری جداگانہ مملکت کی تشکیل میں کون سا اصول کارفرما تھا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ پاکستان محض ایک سیاسی مملکت بن کر رہ گیا۔ اور اس کے راستے میں جب کوئی دشوار گزار مقام آیا تو ہمارے نوجوان طبقہ کی زبان پر بے ساختہ اس قسم کے الفاظ آ گئے کہ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ہم ہندوستان سے علیحدہ کیوں ہوئے تھے؟ ہندوستان کے مقابلہ میں ہمارا ملک بہت چھوٹا سا ہے اس کے ذرائع بڑے محدود اور وسائل مقابلتہً مختصر ہیں۔ دیگر اقوامِ عالم، ہمارے مقابلہ میں ہندوؤں کے ساتھ تعلقات وابستہ رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں کشمیر کا مسئلہ ہمارے لئے ایک مستقل سوہانِ روح ہے۔ ملک کے پانیوں کے سرچشموں پر ہندوؤں کا قبضہ ہے۔ اس کے علاوہ — اور بھی بیسیوں خطرات اور نقصانات ہیں جو محض علیحدگی کی وجہ سے لاحق ہو رہے ہیں۔ اگر ملک ایک رہتا تو ان مصیبتوں کا سامنا کیوں کرنا پڑتا۔ اگر مقصد یہی تھا کہ چند مسلمان گھرانوں کو حصولِ زر کے ایسے مواقع میسر آجائیں جن کا وہاں امکان نہیں تھا تو قوم کو اس کی جو قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے وہ بہت زیادہ — یہ اور اس قسم کے اور اعتراضات، قوم کے نوجوان طبقہ کی طرف سے عام طور پر کئے جاتے ہیں۔

اگر ان سے کوئی کہتا، کہ ہمارے مذہب کا تقاضا ایسا تھا، تو یہ بات بھی ان کی سمجھ میں نہ آتی۔ اس لئے کہ مذہب کا جو تصور ان کے سامنے پیش کیا جاتا — یا جو تعلیم مذہب کے نام پر انہیں دی جاتی، اس سے یہ کہیں لازم نہ آتا کہ ان باتوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی ضرورت ہے وہ کہتے کہ اس مذہب پر ہم ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی کاربند رہ سکتے تھے۔ جیسا کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمان مذہبی پابندی کر سکتے ہیں۔

اگر کوئی ان سے کہتا کہ ہمارا کلچر ہندوؤں سے جداگانہ تھا اس لئے یہ علیحدگی ناگزیر تھی، تو وہ یہ بات بھی سمجھ نہ سکتے۔ اس لئے کہ جس کلچر کی نمود و نمائش یہاں ہوتی اس میں اور ہندوؤں کے کلچر میں کوئی فرق ہی نہ تھا۔ بلکہ انہیں تاریخ میں بتایا جاتا تھا کہ اس کلچر کا رشتہ ہڑپا، ٹیکسلا

اور موہن جوداڑو کے کھنڈرات سے وابستہ ہے اگر ان سے کہا جاتا کہ ہمارا سیاسی نظام مختلف ہے تو واقعات اس کی بھی تغلیط کرتے۔ وہ اپنے ہاں کے سیاسی نظام اور ہندوؤں کے سیاسی نظام میں کوئی فرق ہی نہ دیکھتے۔

پرانے لوگوں کے پاس اس سلسلہ میں لے دیکے ایک ہی دلیل رہ جاتی تھی اور وہ یہ کہ ہندو ایک ایسی ذہنیت کی مالک قوم ہے جس کے ساتھ ہمارا گزارہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی شریف آدمی رہ ہی نہیں سکتا۔ لیکن چونکہ ہماری نئی پود نے ہندو کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ جانتی ہی نہ تھی کہ ہندو کیسے ہیں اور وہ ہوتا کیا ہے۔ اس لئے یہ آخری دلیل بھی انہیں مطمئن نہ کر سکتی۔ نتیجہ اس کا یہ کہ ہماری اس نئی نسل کے دل میں، پاکستان کی اہمیت تو ایک طرف، اس کی وجہ جواز تک باقی نہ رہی۔

حساس قلوب اس صورتِ حالات سے سخت مشوش بلکہ متوحش تھے کہ جس پود کو کل کو پاکستان کی قوم بننا ہے اس کے دل میں پاکستان کی وجہ جواز تک موجود نہ ہوئی، تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ ہم اس تشویش میں مبتلا تھے کہ (ہماری خوش قسمتی سے) ہندوستان نے ہم سے جنگ چھیڑ دی اور اس سلسلہ میں اس کی طرف سے جس ذہنیت کا مظاہرہ ہوا اس سے ہندو، ہماری قوم کے نوجوان طبقہ کے سامنے بے نقاب ہو کر آگیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ہندو کیسے ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی ان کی سمجھ میں آگئی کہ ہم ہندوستان سے الگ کیوں ہوئے تھے اور ہمارے جداگانہ تشخص کا قائم اور مستحکم رہنا کیوں ضروری ہے۔ جنگ کے دوران اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک، قوم نے جس یک جہتی، یک دلی، یک زبانی، یک مقصدی سے تحفظ پاکستان کے لئے قربانیاں پیش کیں وہ اسی جذبہ کی بیداری کا نتیجہ تھا۔ اس سے قوم (بالخصوص ہماری نئی نسل) کے سامنے وہ مقصد آگیا جس کی خاطر پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ اسے اس امر کا یقین ہوگیا کہ ہم اور ہندو کبھی ایک نہیں ہو سکتے — ہم میں اور ان میں کوئی قدر مشترک نہیں — نہ تھی، نہ ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ اس جنگ کا یہ وہ بڑا فائدہ ہے جسے ہم بحالاتِ موجودہ کسی اور طرح حاصل ہی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بڑا قیمتی جذبہ تھا جو ہماری قوم کے نوجوان طبقہ میں بیدار ہوگیا۔

یہاں تک تو حالات نے خود بخود کر دیا — بلکہ یوں کہئے کہ ہمیں ہندوؤں کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے ہماری ایک بہت بڑی مشکل کا حل پیدا کر دیا — لیکن اس کے بعد ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے کیا کیا وہ ایک حدیث ہے دلگداز اور ایک ماجرا ہے خونچکاں — ہم نے جنگ ختم کی تھی تو اس

کے یہ معنی نہیں تھے کہ ہم اور ہندو ایک ہو گئے تھے۔ ہم نے اس سے سیاسی نزاعات مٹانے کی ایک کوشش کی تھی اس سے زیادہ اس کا مفہوم کچھ نہیں تھا۔ لیکن ہم اس باب میں کہاں تک چلے گئے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ (مثلاً) ہمارے ریڈیو سے ایسے پروگرام نشر ہوا کرتے تھے جن میں ہندوؤں کی تاریخ۔ ان کی تہذیب، تمدن، سیاست، ذہنیت کو سامنے لایا جاتا تھا۔ اس میں کوئی بات جھوٹ نہیں ہوتی تھی، خلاف واقعہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کا اثر یہ تھا کہ یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی تھی کہ ہم میں اور ہندوؤں میں کوئی قدر مشترک نہیں اس لئے ہم اور وہ نہ کبھی ایک تھے، نہ ایک ہو سکتے ہیں۔ لیکن اعلان تاشقند کے بعد جب لوگ اسی ریڈیو کو سنتے تھے تو ان میں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ۔ ہندو اور مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ پاکستان کی تشکیل ایسی ہی تھی جیسے دو بھائیوں میں جائیداد کے بٹوارے کا سوال زیر غور ہو۔ جائیداد بٹ جانے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بھائی ایک دوسرے.... کا بھائی نہیں رہتا۔ خود یہ جنگ بھی دو بھائیوں میں باہمی تنازعہ تھا۔ تنازعہ ختم ہو گیا اس لئے ہم اور ہندو پھر ایک ہو گئے ـــــ اس پر پہلے تو لوگ سمجھتے ..... کہ انہوں نے شاید کسی غلط اسٹیشن پر سوئی گھما دی ہے۔ لیکن جب انہیں یقین ہو جاتا کہ وہ آواز فی الواقعہ پاکستان ریڈیو کی ہے تو وہ دم بخود رہ جاتے کہ ـــــ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ صبح اٹھ کر اخبارات دیکھتے تو ان میں بھی اس بھائی چارہ کی خوش خبریاں سامنے آتیں۔

پاکستان کا بلند اساسی مقصد و مفہوم تو ایک طرف، اس قسم کے اعلانات و "تبشیرات" کے ذمہ دار ارکان نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جنگ کی وجہ سے قوم کا جذبۂ علیحدگی کس قدر شدت اور نزاکت اختیار کر چکا ہے۔ ان حالات میں دفعتہً اس قسم کے اعلانات قوم کے اندر کس نوعیت کی نفسیاتی تبدیلی پیدا کر دیں گے اور اس فوری تبدیلی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد ملک میں ایسی فضا پیدا کر دی گئی جس میں ہندو کو ہندو کہنا بھی گالی کے مرادف سمجھ لیا گیا اور وہاں کے سیاسی راہ نماؤں کی کسی حیلہ جوئی اور فریب کاری کی طرف اشارہ تک کرنا "مہا پاپ" قرار دے دیا گیا ـــــ ان سیاسی رہنماؤں کی جن کے متعلق خود ہندوستان کے اخبارات یہ شور مچا رہے تھے کہ

> شاستری حکومت ایک ایسا سانپ ہے جس کے سینکڑوں منہ ہیں اور ہر منہ میں زبان الگ الگ بولی بولتی ہے اور ہم فانی انسان اس کا فیصلہ ہی نہیں کر سکتے کہ ان میں سے کس کی بات مستند سرکاری اعلان ہے اور کس کی نہیں۔ حساس طبائع نے اندازہ لگایا ہوگا کہ حکومت کا سربراہ مسٹر شاستری

— خود اس کا بیٹا کا منجھا ہوا فنکار ہے۔

(نیوایج — بحوالہ پاکستان ٹائمز ۵ ۲/۶۶)

ہندوستان کے ساتھ ہمارے اختلافات کے سلسلہ میں سب سے اہم شق یہ تھی کہ بھارت کی طرف سے کشمیر کے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ہو رہے ہیں اور ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان مظلوموں کی امداد کریں۔ ان مظلوموں پر ظلم و ستم کے واقعات ریڈیو صدائے کشمیر اور ریڈیو پاکستان سے مسلسل نشر ہوتے تھے اور ہمارے اخبارات کے صفحات ان لرزہ انگیز داستانوں سے خونچکاں رہتے تھے۔ لیکن اعلانِ کے بعد اس سلسلہ میں ایک حرف بھی سننے میں نہیں آیا۔ ایسا نظر آتا ہے جیسے اعلانِ تاشقند ایک ایسا تیر بہدف تعویذ تھا جس سے اس بیکس و بے بس مریض کے تمام دُکھ دور ہو گئے ہیں اور اسی لئے اس کے کراہنے کی کوئی آواز فضا کو مرتعش نہیں کرتی — کشمیر کے مظلوموں کے ساتھ ہی ہندوستان کے مسلمانوں پر مظالم و تشدد کی داستانوں کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے اور اب ان کے متعلق بھی کچھ سننے میں نہیں آتا — اب ہندو اور مسلمان بھائی بھائی ہیں، خواہ وہ مسلمان پاکستان کے ہوں یا کشمیر کے، یا خود ہندوستان کے۔ اب ہم میں اور ہندوؤں میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں رہا بس سیاسی نوعیت کے چند جزئی اختلافات ہیں جو رفتہ رفتہ حل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ ہیں وہ تاثرات جو اعلانِ تاشقند کے بعد اس ملک میں عام کر دیئے گئے ہیں۔

خود اعلانِ تاشقند کی خبریں جس بے تدبیری سے نشر اور شائع کی گئیں اس سے ہماری جیتی ہوئی بازی ہر گئی اور قوم پر مایوسی اور بددلی کی ایسی فضا مسلط ہو گئی جس کے اثرات، ہزار جتن کرنے کے باوجود اب تک زائل نہیں ہو سکے۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس جنگ سے، جنگ کے سلسلہ میں دی گئی بے پناہ قربانیوں سے، ہمارے باطل شکن مجاہدین کے ان قطراتِ خون سے جن کی قیمت دنیا کی کوئی متاع ادا نہیں کر سکتی — ہم نے جو ایک عظیم فائدہ حاصل کیا تھا اسے کس طرح عمالِ حکومت کے عدم تدبر یا بے اعتنائی نے ختم کر کے رکھ دیا۔ اگر یہ ذرا بھی تدبر سے کام لیتے، یا انہیں مقصد کی اہمیت کا احساس ہوتا، تو یہ ایسے اقدامات کرتے جن سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات، سیاسی معاہدہ کی حد تک تو استوار ہوتے لیکن ان میں اور ہم میں جو بنیادی خلیج ہے وہ ویسے کی ویسی قائم رہتی۔ قوم کے دل میں، خدا خدا کر کے، اٹھارہ سال کے بعد، اپنے جداگانہ تشخص کا بلند جذبہ بیدار ہوا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس جذبہ کو برابر بیدار رکھا جاتا بلکہ اسے بیدار تر کیا جاتا۔ قوم کی ساری قوت جس کا مظاہرہ دورانِ جنگ میں ہوا

تھا، اسی جذبہ کی رہینِ منت تھی۔ افسوس! کہ اس جذبہ کو بُری طرح ٹھنڈا کر دیا گیا۔ یہ وہ نقصانِ عظیم ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

ہمیں تسلیم ہے کہ اعلان تاشقند میں 'ایک دوسرے ملک کیخلاف پروپیگنڈہ کو روک دینے کی شق بھی درج تھی جس کا احترام ضروری تھا۔ لیکن کسی ملک کے خلاف پروپیگنڈہ بند کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اس ملک کے رہنے والوں کو بھائی قرار دے دیا جائے۔ ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈہ بند کر دینے کے بعد' اپنے جداگانہ تشخص کے تصور کی نشر و اشاعت ــــ مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں اپنے برسرِ حق ہونے کا اعلان ــــ قوم کو مستقبل کے خطرات کی طرف سے متنبہ اور محتاط رہنے کی تلقین ــــ اپنی حفاظت اور پاکستان کی سالمیت کے لئے ہر وقت تیار رہنے کی تاکید ــــ ان پر تو کوئی قدغن نہیں لگ گئی تھی جو پبلسٹی کے تمام دروازے ان کے لئے بند کر دیئے گئے ــــ نتیجہ یہ کہ قوم نہ صرف پھر اسی فضا میں پہنچ گئی جس میں وہ جنگ سے پہلے تھی بلکہ اس پر اور بھی زیادہ مایوسی چھا گئی۔ چنانچہ اب اس کی کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ اسی جذبۂ ایثار اور یک لختی کو بیدار رکھے جس کا اس نے جنگ کے دوران مظاہرہ کیا تھا تو وہ نہایت پُرحسرت انداز سے کہہ دیتی ہے کہ ــــ

مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ!

لیکن بایں ہمہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ فطرت ہماری طرف ہمارے استحقاق سے زیادہ مائل بکرم ہے اور ایسے حالات پیدا کئے جارہے ہیں جن سے ہماری ان بے تدبیریوں کے اثرات زائل ہونے کے امکانات روشن ہو جائیں۔ چنانچہ ہندوؤں کی طرف سے اعلانِ تاشقند پر عمل درآمد کے سلسلہ میں جو کچھ کہا جارہا اور کیا جارہا ہے اس سے ہندو ذہنیت پھر اس طرح آشکارا ہو رہی ہے کہ ان کیسا تھ ہمارے "برادرانہ تعلقات" کا خواب 'خواب پریشاں' بنتا جارہا ہے اور حالات بتا رہے ہیں کہ یہ سیاحبے کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹے گی ــــ یہ بڑا ہی غنیمت ہے اور خدا کرے کہ ہندو سے اس قسم کی حماقتیں مسلسل اور علی التواتر سرزد ہوتی رہیں تاکہ ان سے ہماری غلطیوں کا ازالہ ہوتا رہے۔ اور قوم کے دل میں جذبۂ علیحدگی کی شدت کم نہ ہونے پائے ــــ عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد ــــ ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہماری خارجہ پالیسی بھی اس طرح یک سو ہوتی نظر آرہی ہے جس سے قوم کے دل میں خود اعتمادی کے جذبات پرورش پانے شروع ہو گئے ہیں۔

ہم نے نومبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت کے لمعات میں لکھا تھا ــــ

"ہاں! ابھی جنگ جاری ہے اور ہمارا خیال ہے کہ جس قوم سے ہمارا واسطہ پڑا ہے اسکی ہمسائیگی میں جنگ

کا خطرہ ہمیشہ ہمارے سر پر منڈلاتا رہیگا۔ اس خطرہ کے مٹنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو (اس قوم کی خوش قسمتی سے) اس میں کوئی ایسا بلند نظر مصلح پیدا ہو جائے جو اسے نفسیاتی احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) کی کشمکش سے نجات دلا کر جس میں یہ صدیوں سے بُری طرح گرفتار چلی آ رہی ہے انہیں قامتِ آدمیت (HUMAN STATURE) عطا کر دے۔ اور یا اس پر ہم ایک بھرپور وار کر کے اس کی فصد اس طرح کھولیں کہ ان کی رگوں سے وہ سارا (فالتو) خون بہہ جائے جو ان میں سرسام پیدا کر رہا ہے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا ہمیں اپنے آپ کو یہ دھوکا نہیں دینا چاہیئے کہ ہم حالتِ امن میں زندگی بسر کر رہے۔ ہمیں اپنے آپ کو مستقلاً جنگ کی حالت میں سمجھنا چاہیئے اور اسی نہج سے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ ویسے بھی زندگی کا تو فلسفہ ہی یہ ہے کہ

اگر خواہی حیات، اندر خطر زی

اور مسلمان کی زندگی ہی، حضور نبی اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق، یہ ہے کہ جب جہاد ہو رہا ہو تو اس کے اندر شامل ہو اور جب نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔ جہاد (تگ و تاز مسلسل) تو زندہ رہنے کی بنیادی شرط، اور دشمن کے ہر شر سے بچنے کی اولین صفِ مدافعت ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ

جہاں بازو سمٹتے ہیں، وہیں صیاد ہوتا ہے "

اسے ہم پھر دہراتے ہیں اور اسی شدت کے ساتھ دہراتے ہیں جس شدت کے ساتھ ہم نے یہ الفاظ نومبر ۱۹۶۵ء میں لکھے تھے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ہم خواہ مخواہ جنگ چھیڑ دینے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں ہندو کی طرف سے کبھی مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیئے اور اپنی زندگی بالکل اس نہج پر گزارنی چاہیئے گویا ہم جنگ کے اندر ہیں۔ ہندو قوم کا کوئی اعتبار نہیں اور اس پر کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں پوری توقع ہی نہیں یقین ہے کہ اگر کل کو پھر جنگ کی نوبت آ گئی تو قوم پھر اسی یک دلی، اور ہم مقصدی کے ساتھ پروانہ وار اٹھ کھڑی ہو گی جس کا مظاہرہ اس نے سابقہ تصادم کے وقت کیا تھا ـــــ یہ محبوب جب بھی پہلی سی محبت مانگے گا، قوم اُسے محبت دیگی۔

جنگ بند ہونے کے بعد ہم نے چند ایک تجاویز ارباب بست و کشاد کے سامنے پیش کی تھیں مثلاً

(۱) اسکولوں اور کالجوں میں لڑکوں اور لڑکیوں، سب کو رائفل ٹریننگ دیجائے اور خطرہ کے وقت انہیں اسلحہ مہیا کیا جائے۔

(۲) رائفل ٹریننگ کے ساتھ ساتھ، انہی شہری دفاع کی تمام مشقیں کرائی جائیں اور اس سلسلہ

میں ضروری سامان ہر گھر میں رکھا جائے۔ شہری دفاع کی ٹریننگ طالبعلموں تک ہی محدود نہ رکھی جائے بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

(۳) سرحدی بستیوں کے رہنے والوں کو واضح ہدایات دی جائیں کہ خدانخواستہ خطرہ کی صورت انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ بالخصوص عورتوں کی حفاظت کے سلسلہ میں انہیں کیا قدم اٹھانا چاہیئے۔ اس لئے کہ تجربے نے بتایا ہے کہ ہندوستانی درندوں کا ہاتھ آبرو کے خلاف بڑی بیباکی سے اٹھتا ہے۔

(۴) واہگہ کی سرحد کے ساتھ ساتھ ایک اور نہر کھود دی جائے جو ہمارے دفاع کی پہلی لائن کا کام دے ۔۔۔ اور اس دوران، موجودہ نہر اور سرحد کے علاقہ کے درمیان سول آبادی کو آباد نہ کیا جائے۔

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان اہم نکات کی طرف یا تو توجہ دی ہی نہیں گئی یا بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ ہمیں اس مہلت کے وقفہ کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور آنے والے خطرات کے لئے پوری مستعدی سے کام کرنا چاہیئے کہ زمانہ بڑی برق رفتاری سے بدل رہا ہے اور وہ اتنا سنگدل واقعہ ہوا ہے کہ اسکے کارواں کا کوئی فرد اگر پاؤں میں سے کانٹا نکالنے کے لئے بھی کہیں بیٹھ گیا تو وہ اسے روندتا ہوا آگے نکل جائے گا۔

---

(۲)

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اسلامی مشاورتی کونسل نے حکومت سے سفارش کی ہے کہ اسلامیات کی تعلیم کو اسکولوں کے پہلے درجہ سے لے کر، کالجوں کے انتہائی درجہ تک لازمی قرار دے دیا جائے ہمیں ۔۔۔ جو مسلسل اٹھارہ برس سے پکار رہے ہیں کہ پاکستان میں تعلیم کو اسلامی نہج پر متشکل کرنا چاہیئے اس خبر سے بڑی مسرت ہونی چاہیئے۔ لیکن قارئین طلوع اسلام کو تو نہیں، دیگر حضرات کو اس سے، تعجب ہو گا کہ ہم اس کے خلاف بڑی شدت سے صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ اس کی وجہ غور سے سننے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس وقت (غالباً) ثانوی درجوں تک اسلامیات لازمی ہے۔ اس (اسلامیات) کے نصاب میں بچوں کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس نے ان بچوں کو، ان کے والدین کو، اور خود معاشرہ کو، عجیب مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس میں بعض باتیں تو قرآنِ کریم کے خلاف ہوتی ہیں اور بیشتر ایسی جو علم و عقل اور فکر و بصیرت کے بھی خلاف ۔۔۔ حتیٰ کہ اس میں ایسی ایسی باتیں بھی آجاتی ہیں جو اس تعلیم کے بھی خلاف ہوتی ہیں جو انہیں اسی اسکول میں دوسرے پیریڈ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ مثلاً انہیں جغرافیہ کے پیریڈ میں پڑھایا جاتا ہے کہ دن اور رات کا اختلاف زمین کی گردش کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ زمین کا

وہ حصّہ جو سورج کے سامنے ہوتا ہے اس میں دن ہوتا ہے، جو اس سے دوسری سمت کو ہوتا ہے، اس میں رات ہوتی ہے۔ اس کا انہیں گلوب کے ذریعے مشاہدہ بھی کرا دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب وہ اسلامیات کے پیریڈ میں آتے ہیں تو انہیں پڑھایا جاتا ہے کہ سورج رات کے وقت خدا کے عرش کے نیچے چھپ جاتا ہے اور دوسری صبح فرشتے اسے وہاں سے نکالتے ہیں۔ صحت اور صفائی کے سلسلہ میں انہیں پڑھایا جاتا ہے کہ مکھی کی ٹانگیں کثافت اور غلاظت سے آلودہ ہوتی ہیں اس لئے اسے کھانے پینے کی کسی چیز پر بیٹھنے نہیں دینا چاہیئے۔ لیکن انہیں اسلامیات کے پیریڈ میں یہ بتایا جاتا ہے کہ جب مکھی دودھ میں گر جائے، تو اسے ڈبو کر نکالنا چاہیئے کیوں کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفاء (دوغیرہ وغیرہ) اور پھر قیامت بالائے قیامت یہ کہ انہیں بتایا جاتا ہے کہ یہ سب باتیں ہمارے رسول خدا (صلعم) نے ارشاد فرمائی ہیں۔ ارے ہو چکے کہ ان بچوں کی، جنہیں یہ کچھ پڑھایا جاتا ہے، ذہنی کیفیت کیا ہو جائے گی۔ اور خود ذاتِ رسالتمآب کے متعلق ان کا تصور کیا ہوگا؟ یہی بچے جب گھر آکر یہ باتیں کریں گے، تو ظاہر ہے کہ ماں باپ (اگر) کی مخالفت کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ یہ غلط ہے۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ آئے گا وہ دوسری صبح جب اسلامیات کے ٹیچر سے یہ کہیں گے کہ آپ نے ہمیں جو کچھ بتایا تھا وہ غلط ہے ــ تو ان بیچاروں کی پٹائی ہوگی۔ اور جب امتحان میں یہ سوالات آئیں گے تو ان کے لئے اور بھی مصیبت ہوگی اگر وہ ان سوالات کے جوابات ماں باپ کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق دیتے ہیں تو فیل ہو جاتے ہیں ــ اور چونکہ یہ مضمون لازمی ہے اس لئے اس میں فیل ہونے والا بچہ امتحان میں فیل ہو جاتا ہے ــ اور اگر وہ فیل ہونے کے ڈر سے وہ جوابات لکھتا ہے جنہیں اس کا دل نہیں مانتا تو اس میں، ایک مقصد کے حصول کے لئے، جھوٹ بولنے کی عادت شروع ہی سے پیدا ہو جائے گی۔ اس سلسلہ میں اُس بچی کی تقریر قابلِ غور ہے جو اس نے حالیہ طلوعِ اسلام کنونشن کے مذاکرہ میں کی تھی۔ اور جو آئندہ اشاعت میں آپ کے سامنے آئے گی۔ یہی تھیں موجودہ اسلامیات کے نصاب کی وہ خرابیاں جن کے پیشِ نظر طلوع اسلام کنونشن نے ایک قرارداد پاس کی ہے جس میں اس نصاب کے بدلنے پر زور دیا گیا ہے (یہ قرارداد چند صفحات بعد آپ کے سامنے آجائے گی) ــ ہمارے پاس آئے دن ایسے والدین آتے رہتے ہیں جو اس مصیبت کے ہاتھوں پریشان ہیں۔ وہ ہم سے اس مشکل کا حل دریافت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کا حل ہمارے بس کی بات بھی نہیں۔ اس کا تعلق تو ملک کے نظامِ تعلیم سے ہے کسی فرد یا ادارہ سے نہیں۔

اب تک یہ مصیبت ثانوی درجہ تک ہے۔ اس کے بعد، بچوں کے لئے اسلامیات لازمی مضمون

نہیں۔ اس لئے ماں باپ انہیں، کسی ذہنی اور قلبی کشمکش میں مبتلا کئے بغیر، صحیح اسلام کی تعلیم اپنی صوابدید کے مطابق دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر اسلامیات کو آخری درجہ تک لازمی مضمون قرار دے دیا گیا اور نصاب تعلیم وہی رہا جو اب ہے ـــــ یعنی طالب علموں کو وہی کتابیں پڑھائی گئیں جو اسلامی تعلیم کے سلسلہ میں اس وقت مروج ہیں ـــــ تو طالب علموں اور ان کے والدین اور متعلقین کی یہ پریشانی آخر تک مسلسل چلی جائے گی۔ اب بھی ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ جو مذہب کے نام سے دور بھاگتا ہے بلکہ اس کے خلاف سرکشی اختیار کر رہا ہے اس کی وجہ وہ تعلیم ہے جسے اسلامی کہہ کر معاشرہ میں پھیلایا جا رہا ہے۔ اس وقت تو یہ باتیں بطور وعظ و نصیحت سننے سنانے تک محدود ہیں لیکن سوچئے کہ اگر یہی وعظ ان کی تعلیم کا لازمی جزو قرار پا گیا تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

ہمارے تصور کے مطابق تو اسلامی تعلیم کا نہج اور طریق ہی اور ہے اور وہ یہ کہ (مثلاً) سائنس کے طالب علم کو بتایا جائے کہ قرآن کریم کی رُو سے کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے اس لئے مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تسخیر کائنات کرے اور پھر فطرت کی قوتوں کو نوعِ انسان کی بہبود کے لئے قرآن کی متعین کردہ اقدار کے مطابق صرف کرے۔ پولیٹکل سائنس یا معاشیات کے طالب علم کو بتایا جائے کہ انسانی نقطۂ نگاہ سے ان نظامہائے سیاست و معیشت میں کیا نقائص و اسقام ہیں اور قرآنی نظام میں وہ کس طرح دور ہو جاتے ہیں۔ تاریخ پڑھاتے وقت بتایا جائے کہ قرآنِ کریم کی رُو سے قوموں کے عروج و زوال کے غیر متبدل قوانین کیا ہیں۔ اور تاریخ اقوام کس طرح ان قوانین کی صداقت کی شہادت بہم پہنچاتی ہے۔ اسلامی تاریخ پڑھائی جائے تو بتایا جائے کہ اس میں کون کون سا کردار قرآنی پیمانے پر پورا اترتا ہے اور کس کس مقام پر یہ کارواں صحیح راستے سے ہٹ گیا تھا ـــــ وقس علیٰ ھذا ـــــ اس کے لئے پڑھانے والوں کی ضرورت ہے۔ اسلامیات کو بطور الگ مضمون رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے مجوزہ کالج میں یہی طریق اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

البتہ اسلامیات کو بطور ایک الگ مضمون کے معلومات کی خاطر رکھا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ ابتدا سے آخر تک نیا نصاب مرتب کیا جائے۔ اس میں دیکھا یہ جائے کہ کسی کتاب میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے۔

(۱) جو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہو۔

(۲) جس سے نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ پر کسی قسم کا طعن پایا جائے۔

(۳) جس میں کوئی بات عقل عامہ، تجربہ، مشاہدہ یا عصری انکشافات کے خلاف ہو۔

دوسری طرف ان کتابوں سے

(۱) قرآن کریم کی رُو سے متعین کردہ نظریہ کائنات، تصورِ حیات، زندگی کی مستقل اقدار، قانون مکافاتِ عمل، انسانی ذات کی ممکنات، حیاتِ آخرت، وغیرہ ـــــ بطور مثبت حقائق سامنے آجائیں۔

(۲) زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق قرآنی نظام واضح شکل میں اجاگر ہو جائے۔

(۳) طالب علموں میں ایسی بصیرت پیدا ہو جائے کہ وہ عصرِ حاضر کے پیش کردہ مسائل زندگی کا حل قرآن کریم کی روشنی میں دریافت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

(۴) کائنات میں انسان کا صحیح مقام ـــــ کہ جسے مقامِ مومن کہتے ہیں۔ ان کے سامنے نکھر کر آجائے اور

(۵) پاکستان کی آئیڈیالوجی کی صداقت پر یقین، ایمان کا درجہ اختیار کرلے۔

جب تک اس قسم کا نصاب مرتب نہ ہو جائے، اسلامیات کو لازمی قرار دینا تو ایک طرف، اسے اسکولوں اور کالجوں میں رائج ہی نہیں کرنا چاہیئے، جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے۔ موجودہ نصابِ تعلیم سے بچے اسلام سے برگشتہ اور دین سے سرکش ہوتے جا رہے ہیں۔ انہیں اس تباہی سے بچانے کی اشد ضرورت ہے۔ ہم نے جو کہا تھا کہ ہم اسلامی مشاورتی کونسل کی اس سفارش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل کام صحیح نصاب مرتب کرنے کا ہے، اسلامیات کو لازمی مضمون قرار دینے کی سفارشات کرنے کا نہیں۔ کیا اس قسم کی سفارشوں کے لئے بھی کسی عظیم مشاورتی کونسل کی ضرورت ہے؟ یہ آوازیں تو ہر محراب و منبر سے برسوں سے اٹھ رہی ہیں۔

ہم اربابِ حکومت سے باادب اور بزور گزارش کریں گے کہ وہ ہماری ان معروضات پر گہرے تدبر سے غور و فکر کریں اور اس سلسلہ میں جلد کوئی عملی قدم اٹھائیں۔ ورنہ قوم کے بچے بُری طرح سے تباہ ہو جائیں گے۔ اور ان کی تباہی سے ہم سب تباہ ہو جائیں گے ـــــ ہو جائیں گے کیا؟ اس تباہی کا تو ہم آئے دن رونا روتے رہتے ہیں۔

لاہور میں پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم ـــــ ہر اتوار کو

صبح ۹ بجے ـــــ ۲۵/جی گلبرگ لاہور میں شروع ہوتا ہے

نمائندہ
بزمِ طلوعِ اسلام لاہور

صفدر سلیمی

روئیداد

طلوع اسلام کنونشن

نواں سالانہ اجتماع

۱۷-۱۸-۱۹-۲۰ مارچ ۱۹۶۶ء

نومبر ۱۹۶۴ء کی طلوع اسلام کنونشن کے بعد تحریکِ قرآنی کے طائران پیش رس کا آئندہ سالانہ اجتماع گزشتہ اکتوبر میں طے پایا تھا۔ تحریک کے تمام مراکز میں مقررہ تاریخوں کا انتظار شدتِ آرزو کا رنگ لئے ہوئے تھا کہ عین اسی مرحلہ انتظار کے دوران پاک بھارت کشمکش معرکۂ حق و باطل کی صورت اختیار کر گئی۔ زمین کی پستیوں، آسمان کی بلندیوں اور سمندر کی وسعتوں میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور پوری ملتِ پاک ایک ایسے دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو گئی جو اپنی کثرتِ تعداد، بے پناہ جنگی وسائل اور اٹھارہ سال کی شبانہ روز اور بھرپور تیاریوں سے ہماری مملکت اور قومی وجود کو مٹانے کے ناپاک عزائم لے کر ہماری سرحدوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ ملکی دفاع اور قومی سالمیت کے مقدس تقاضوں نے جہاں حیاتِ ملی کے دیگر منصوبے اور پروگرام پس پشت ڈال دیئے وہاں طلوع اسلام کنونشن کا انعقاد بھی التوا میں پڑ گیا۔ اواخر ستمبر میں جنگ کے شعلے سرد پڑ گئے۔ لیکن دونوں مملکتیں ایک دوسرے کے مقابل

مہینوں سے صف آرا رہیں۔ تا آنکہ ایک دن اس عارضی صلح و امن کا آگیا جو سرحدوں کے ہر دو جانب زندگی کو معمول پر لے آیا۔ اور کنونشن کے لئے سازگار صورت حال پیدا ہوگئی۔

اس صورت حال میں جب کنونشن کی نئی تاریخوں کا اعلان ہوا تو ملک کے مختلف گوشوں میں احبابِ قرآنی کی بزمہائے شوق میں وفورِ مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ہنگامی صورت حال میں کھویا ہوا گوہر مقصود انہیں۔۔۔ واپس مل گیا اور ولولہ ہائے شوق و مستی سے ۱۷ مارچ کی اس شام کا انتظار کیا جانے لگا جو ڈیڑھ سال کے سلسلۂ فراق کے بعد ان کی ہم آغوشیوں کی رسم افتتاح کا اعزاز حاصل کر رہی تھی۔ گردشِ شام و سحر کے درمیان شدتِ انتظار کے یہ صبر آزما مرحلے ایک ایک کر کے طے ہوئے اور بالآخر ۱۷۔ مارچ کا وہ مبارک دن آگیا جب گلبرگ کا خیابانِ آرزو ان طائرانِ پیش رس کے خیر مقدم کے لئے آراستہ و پیراستہ دکھائی دے رہا تھا۔ یہی وہ خیابانِ آرزو ہے جسے فیضؔ کے الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے وہ بجا طور پر جھوم جھوم کر کہا کرتے ہیں کہ

شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں، تری محفل سے آئے ہیں!

گھڑی دن کے گیارہ بجا رہی تھی کہ صحنِ چمن مسرت کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔ کراچی کا کاروانِ شوق کنونشن ہاؤس میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ قافلہ اس سفر میں ہمیشہ سب سے آگے رہا اور اس داخلہ میں بھی اولیت کا شرف و اعزاز پا رہا تھا۔ شاداب فضا میں چاروں طرف مسکراہٹوں اور قہقہوں سے فردوسِ گوش کا سماں بندھ گیا۔ میرِ کارواں آگے بڑھ کر ایک ایک کو اپنی آغوش میں لے رہے تھے۔ کس قدر اثر آفریں تھا یہ منظر! خلوص و محبت میں ڈوبی ہوئی امنگوں کا بند ٹوٹ گیا۔ میرِ کارواں کی پلکوں پر مسرت کے آنسو ڈھلک آئے۔ ان کے احباب کی آنکھیں بھی نمناک تھیں۔

کراچی کے قافلے کے ساتھ کوئٹہ کے احباب بھی مسرت بداماں پہنچ گئے اور پھر ملک کے مختلف گوشوں سے رفقائے منزل کی آمد آمد کا سلسلۂ جاں نواز شروع ہوگیا۔ ملتان، ڈیرہ اسماعیل خان، مردان، پنج کسی، لائلپور، راولپنڈی، بنڈ دادن خان، دلیونہ منڈی، سید حسین، پشاور صدر جگہ جگہ سے نشیدِ قرآنی کے یہ شیدائی خمکدۂ قرآنی میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ پنڈال اور آرامگاہوں کی ترتیب نقشے کے مطابق دن ڈھلے تک تکمیل پاتی رہی۔ ٹی سٹال، طعام گاہ اور مطبوعات ادارہ کے سٹال الگ اپنی اپنی جگہ قائم ہو گئے اور تین بنگلوں کی وسعت میں غروبِ آفتاب تک ایک نئی بستی وجود میں آگئی۔ وہ بستی جس کے طول و عرض میں احباب کی چھوٹی چھوٹی مجلسیں آراستہ تھیں۔ دلوں کے

غنچے کھل رہے تھے۔ چہروں پر مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں۔ لبوں پر دعوتِ قرآنی کے چرچے تھے۔ قلب و نگاہ میں ذکر و فکر کی شادابیاں دوڑ رہی تھیں۔ اور تعارفی اجلاس کا بے تابی سے انتظار ہو رہا تھا۔

تعارفی اجلاس

رات کے کھانے سے فراغت ہوئی تو لاؤڈ سپیکر کی آواز نے سب کو ایوانِ کنونشن میں جمع ہونے کا مژدہ سنایا۔ اور عین اس وقت جب گھڑی نو بجا رہی تھی، پنڈال میں تعارفی اجلاس آراستہ ہو چکا تھا۔ اور صدر الصدور خان بخت جمال خان مسند صدارت پر اپنی ذمہ داری سنبھال چکے تھے۔ محترم عزیز احمد قریشی کی تلاوتِ کلامِ پاک اور مرزا محمد خلیل کی نظمِ اقبالؒ کے بعد احباب کے تعارف کا آغاز بزم مردان کے رفقاء سے ہوا۔ نمائندہ مردان خان عبدالحکیم خان نے اپنے مخصوص انداز میں باری باری اپنے رفقائے بزم کے ذوقِ قرآنی کی تفصیل پیش کی۔ ان میں بڑے بوڑھوں کے دوش بدوش وہ بلند قامت جیالے نوجوان بھی تھے جو ملیشیا میں ملبوس، ریوالور لٹکائے اور نگاہیں جھکائے احباب کے سامنے کھڑے تھے اور ان کے عشقِ قرآنی کی وہ داستانیں خان عبدالحکیم خان کی زبانی سب کے سامنے آ رہی تھیں جن میں قیس و فرہاد کی سخت کوشیوں اور خاراشگافیوں کا امتزاج تھا۔ اور ان ابتلاؤں اور آزمائشوں کی تفصیل بھی جوان کے پائے استقلال کی ٹھوکروں سے پامال ہو کر رہ گئیں۔

بزمِ سید حسین کے قافلہ سالار اپنے رفقاء کو ساتھ لے کر مائیک پر آئے۔ ان کے بزرگ خاندان سید امیر حسین شاہ صاحب بھی اس سلکِ قرآنی میں گوہرِ آبدار کی طرح جگمگاتے نظر آ رہے تھے۔ شاہ صاحب نے دوسروں کا تعارف کرایا لیکن اپنے معاملہ میں خاموشی اختیار کی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے، (باجازتِ صدر محترم) عزیز احمد قریشی صاحب کو مائیک پر آنا پڑا۔ اور انہوں نے ہی اس امر واقعہ سے نقاب الٹا کہ شاہ صاحب کا پورا خاندان دعوتِ قرآنی کا پرچم تھامے کس عزم و ثبات سے دنیا بھر کی مخالفتوں کے مقابلے میں سالہا سال سے سینہ سپر کھڑا ہے۔ کن مصائب و مشکلات کا مردانہ وار سامنا کر رہا ہے۔ کیسے کیسے دکھ جھیل رہا ہے اور اس کے باوجود پیشانی پر بل نہیں لاتا۔

لاہور چھاؤنی کے احباب میں سے چوہدری محمد اشرف، ظفر عباس، خالد الزماں، محمد صادق بانیم کے جھونکوں کی طرح پلیٹ فارم کے سامنے آئے اور اشاعتِ قرآنی کی حسن کارانہ جدوجہد کی داستان سنا کر قلب و نگاہ میں شادابیاں دوڑا گئے۔

منٹگمری کے پیکرِ ایثار و اخلاص چوہدری عطاء اللہ صاحب بھی تعارفی اجلاس میں شرکت فرما تھے

ان کے تعارف کا اعزاز خود ناظمِ ادارہ نے حاصل کیا اور احباب کو بتایا کہ کس طرح چوہدری صاحب ایک پوری بزم کی اجتماعیت اپنی ذات میں لئے ہوئے ہیں اور ان کے ذوقِ قرآنی کی بدولت کیونکر منٹگمری کی علمی مجالس قرآنی فکر کے تذکار جلیلہ سے زمزمہ بار رہتی ہیں۔

بزمِ سرگودھا کے نمائندے چوہدری محمد شریف لَون سراپا اس شمع سے کم نہیں جو نہ صرف اپنے سوز دروں سے خود جلتی رہتی ہے بلکہ اس کی روشنی سے اور بھی کتنے شبستانوں کو تاریکیوں سے نجات میسّر آتی ہے۔ حکیم حسن محمد نظامی، چوہدری ارشد محمود، ملک غلام جیلانی کیسے کیسے گہرہائے تابدار اس بزم کے دامن سے وابستہ ہیں۔ ان کی رفاقت بزمِ سرگودھا کی اشاعتِ قرآنی کی کامیاب جدوجہد کی امین ہے اور تحریکِ طلوع اسلام کے لئے موجبِ اطمینان و مسرت۔ ملک غلام مرتضےٰ — سید اختر علی، میاں مولا بخش، محترم فیاض علی کس کس کا نام لیا جائے۔ یہ تمام رفقائے عزیز مطلع تحریکِ قرآنی پر ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ خدا ان کے جذبِ دروں اور ولولہ ہائے شوق میں برکت عطا فرمائے۔

لائل پور کے نمائندہ بزم خان محمد اکرم خاں اس اجلاس میں موجود نہیں تھے۔ احبابِ بزم کے تعارف کے سلسلہ میں ان کے قائمقام محترم شریف صاحب مائیک پر آئے اور ایسے نیچے تُلے حسین انداز میں یہ فریضہ ادا کیا کہ بار بار تحسین و آفرین کی بے ساختہ صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ محترم نواب خان، حافظ محمد یونس، محمد احمدان مخلص اور سرگرم عمل احباب سا وجود بزم لائل پور کے حسنِ عمل کو چار چاند لگا رہا ہے۔ اسی تعارف کے دوران جب شریف صاحب نے یہ اعلان کیا کہ لائلپور کے ایک ہم فکر صنعتی ادارہ نے طلوع اسلام کالج کی سائنس لیبارٹری کے لئے ہر قسم کا ضروری سامان مہیا کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو ایوان تالیوں سے گونج اٹھا۔

برٹیڈفورڈ (انگلینڈ) کی بزم نے محترم محمد یوسف بٹ کو اس کنونشن میں اپنی نمائندگی کے لئے بھیجا تھا۔ بٹ صاحب مائیک پر تشریف لائے اور بالتفصیل بتایا کہ انگلستان میں ان کی بزم کس عزم و شوق سے فکرِ قرآنی کی روشنی پھیلا رہی ہے اور مستقبل کے لئے اس کے منصوبے اور پروگرام کیا ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ انگلستان تہذیبِ افرنگ کا سرچشمہ اور منبع ہے وہ تلاشِ حقیقت میں سرگرداں نظر آرہا ہے اور اگر ہماری دعوتِ قرآنی کے صدقے میں اُسے زندگی کی مستقل اقدار مل جائیں تو وہاں کے عوام یقیناً اس دعوت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینگے۔

انہوں نے اپنی بزم کے احباب کی طرف سے نمائندگان کنونشن کو سلام پیش کیا اور ان کی طرف

سے ہر ممکن امداد و تعاون کا یقین دلاتے ہوئے اعلان کیا کہ ان کی بزم کالج فنڈ کے لئے چار ہزار کے عطیات جمع کر چکی ہے اور اس کی جد و جہد کا یہ سلسلہ تیزی سے جاری ہے۔

کنونشن کے جانے پہچانے پیکرِ عزم و ہمت محترم سراج منیر نے بزمِ ملتان کے نمائندگان کا تعارف کرایا۔ محترم اختر علی اور خان عبدالرحمٰن خان دونوں باری باری اسٹیج کے سامنے آئے۔ احباب کنونشن نے تالیوں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ یہی وہ سعد بخت ہیں جن کی جہدِ مسلسل کے صدقے میں ملتان کی فضا تشیدِ قرآنی سے معمور ہے اور پرویز صاحب کے درسِ قرآن کریم کا سلسلہ بذریعہ ٹیپ باقاعدگی سے جاری ہے۔

بزمِ پنج کسکی کے نمائندہ چوہدری عطا محمد علوی اپنے مخصوص دیہاتی لباس کی سج دھج میں سٹیج پر آئے اور طنز و مزاح کی مخصوص شگفتگی سے محفل کو زعفران زار بنا دیا۔ انہوں نے اس شگفتہ انداز میں بتایا کہ ان کی بزم کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان کے خلاف محاذ قائم کرتے ہوئے علاقہ بھر سے چندے اکٹھے کئے۔ بڑے بڑے جلسے کئے گئے۔ دور دراز کے پگڑ بند ملا پھنکارے مارتے ہوئے وہاں پہنچے۔ زبان سے زہریلے تیر و نشتر کا کام لیا گیا۔ لیکن ایک دن یہ سب تھک ہار کر بیٹھ گئے اور ہم بدستور جانبِ منزل رواں دواں ہیں۔

انہوں نے اپنے رفیقِ عزیز سید حشمت علی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہماری مسجد کے امام تھے اور تحریک کے شدید مخالف ۔۔۔ اب یہ امامت سے الگ کئے جا چکے ہیں اور فکرِ قرآنی کو وظیفۂ حیات بنا چکے ہیں۔

بزمِ لیہ کی طرف سے شیخ غلام نبی صاحب نے احباب اور بزم کا تعارف کرایا۔ اور وضاحت سے بتایا کہ طلوع اسلام کالج فنڈ کے سلسلے میں بزم اپنا وعدہ پورا کر چکی ہے۔ بذریعہ ٹیپ پرویز صاحب کے درسِ قرآن کریم کا سلسلہ کامیابی سے جاری ہے اور قرآن کی آواز قصبہ کے طول و عرض میں فردوسِ گوش بن رہی ہے۔

بزمِ لیہ کے بعد کوئٹہ کی باری آئی۔ نمائندہ بزم خان تدبیر احمد خان کی شخصیت جذب و مستی کی والہانہ کیفیت کا پیکرِ جمیل ہے۔ قرآنی فکر کی یہ جیتی جاگتی تصویر مائیک پر آئی اور اپنے مخصوص دلنشیں انداز میں سلسلۂ تعارف کا آغاز کیا۔ محترم نور محمد انور، حسن عباس رضوی، ولی اللہ اور دوسرے احباب باری باری سامنے آئے۔ یہ سب کنونشن کے جانے پہچانے احباب تھے۔ یہ اپنا تعارف آپ تھے لیکن خانصاحب کو یہ فریضہ بہرحال ادا کرنا تھا۔ اور انہوں نے جس حسین پیرائے میں اسے ادا کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔

اجلاس کی کاروائی یہاں تک پہنچی تھی کہ بادوباراں کے تندوتیز طوفان نے یکایک ایوان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اجلاس برخاست کرنا پڑا۔ جب اجلاس شروع ہوا تھا تو آسمان پر بادل گھرے ہوئے تھے۔ لیکن کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ ابر آلود مطلع یک دم فضا میں ایسا ہنگامہ پھیلا دے گا۔ ایوان میں کبھی کبھی بادلوں کی گرج سنائی دے جاتی تھی لیکن سب شرکائے کنونشن ربط باہمی کے اس سرور انگیز ماحول میں اس قدر کھوئے ہوئے تھے کہ انہیں آخر تک خبر نہ ہوئی کہ یہ طوفان آنِ واحد میں سارا نظم وضبط درہم برہم کر کے رکھ دے گا۔ ایوان کنونشن میں طوفان کی یورش پر ابھی وہ سنبھلنے نہ پائے تھے کہ بادوباراں کے طوفان کے ساتھ ہی روشنی گل ہوگئی اور چاروں طرف گہری تاریکیاں مسلط ہوگئیں۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اور طوفان تھا کہ قیامگاہوں تک کو اپنی زد میں لے چکا تھا۔ مہمان خانوں کے شامیانے اور قناتیں طوفان کے سامنے اعترافِ شکست پر مجبور تھیں۔ بستر، چارپائیاں، کتبے، ہر شے اندھیرے میں تتر بتر ہوئی جا رہی تھی۔ لیکن سب نے ہمت سے کام لیا۔ اور جہاں ممکن ہوا پناہ لے لی۔

کچھ دیر بعد جب بجلی کی روشنی واپس لوٹی اور اندھیروں میں نور پھیلا تو ہر شے اپنے اپنے مقام پر نظر آنے لگی اور سب کو شب باشی کے لئے مناسب جگہ تلاش کرنے کا موقع مل گیا۔ عام حالات میں اس قسم کے حادث ہزار پریشانیوں کا موجب بن جاتے ہیں۔ لیکن وحدتِ فکر ونظر کے صدقے، ان بادہ مستانِ حجازی میں سے کسی کے ماتھے پر شکن نہ تھی اور سب شاداں وخنداں مصروفِ گفتگو تھے۔

۱۸ مارچ ــ صبح کا خصوصی اجلاس

نو بجے صبح جب خان عبدالحکیم خان (مردان) کی صدارت میں نمائندگان کا خصوصی اجلاس شروع ہوا تو مطلع صاف تھا۔ طوفانِ بادوباراں کے نشان آہستہ آہستہ ناپید ہو رہے تھے۔ حافظ محمد یونس لائل پور نے تلاوت کلام پاک سے کاروائی کا آغاز کیا۔ اور محمد صادق (لاہور چھاؤنی) کی نظم اقبالؒ کے بعد سلسلہ تعارف کی اگلی کڑیاں سامنے آنے لگیں۔ بزم چک شمالی کے جانے پہچانے نمائندہ چوہدری نصراللہ خاں نے اپنے رفقائے بزم کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ ان کی دیہاتی بزم فکرِ قرآنی کی اشاعت کے لئے ہر ممکن جدوجہد کر رہی ہے ـــــ اور طلوع اسلام کا لج فنڈ کے سلسلے میں اپنے وعدوں کی تکمیل عمل میں لا چکی ہے۔

اب بزم راولپنڈی کے احباب کی باری تھی۔ محترم عزیز احمد قریشی نے اپنی سلک تنظیم کے ایک ایک گوہر رخشندہ کو مخصوص حسین انداز سے ایوان کے سامنے پیش کیا۔ یہ رفقائے عزیز احباب کے لئے

نوواردانِ بساط نہیں تھے۔ بلکہ سالوں سے سالانہ اجتماعات میں شریک ہو رہے تھے۔ اس لئے وہ ایوان کے لئے کسی تعارف کے محتاج نہیں تھے۔ ہاں ان میں ملک ظہور احمد صاحب کا تعارف ایک خصوصیت کا حامل تھا۔ راولپنڈی کا یہی وہ گراں قدر رفیق تھا جس نے زندگی کے ڈھلتے ہوئے سائے میں مفکرِ قرآن کے درسِ قرآنِ کریم کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا کٹھن سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اور مسلسل دس دس بارہ بارہ گھنٹوں کی عرق ریزیوں سے بصیرتِ قرآنی کے اس بیش بہا سرمائے کو ضبطِ تحریر میں لانے کا قابلِ قدر فریضہ سرانجام دے چکے ہیں۔ نمائندہ بزم نے جب اس متاعِ گراں بہا کی چوبیس کاپیاں سٹیج سے مفکرِ قرآن کی خدمت میں پیش کیں تو ایوان تالیوں سے گونج اٹھا۔ اور پرویز صاحب کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔

راولپنڈی کے بعد کراچی کے احباب ایک ایک کر کے سامنے آئے اور نمائندہ بزم محترم محمد اسلام صاحب نے ان سب احباب کی دعوتِ قرآنی سے جذب و مستی کی کیفیات کی تفصیل پیش کی۔ اس تعارف کے ساتھ انہوں نے اپنی مبسوط رپورٹ میں حسنِ عمل کا وہ مثالی ریکارڈ بھی ایوان کے سامنے رکھا جو اس بزم کی شبانہ روز سعی و کاوش کا جیتا جاگتا شاہکار بن کر تحریکِ قرآنی کی کارکردگی کو چار چاند لگا رہا ہے۔ اراکین بزم کے تعارف کے بعد ایوان خود نمائندہ بزم کی سعیٔ بلیغ کے تعارف کا منتظر تھا۔ اس فریضہ کی ادائیگی ناظم ادارہ نے کی اور ایوان کو بتایا کہ اس حسنِ عمل کا سہرا نمائندہ بزم محمد اسلام کے سر ہے۔ جس کی مساعیٔ جمیلہ بزمِ کراچی کے حیات آفریں سٹال کی صورت میں کنونشن ہاؤس کے ایک گوشے میں بصد انداز یکتائی سب کی نگاہوں کے سامنے جگمگا رہی ہیں۔ ایک فردِ واحد کی جہدِ مسلسل کا یہ درخشاں ریکارڈ زبانِ حال سے یہ بتا رہا ہے کہ جب کوئی فرد اپنے مقاصد کی صداقت پر ایمان کا جذبہ لے کر میدانِ عمل میں آتا ہے۔ تو کیا کچھ کر گذرتا ہے۔ اس سعی و کاوش نے تحریکِ قرآنی کے پورے ریکارڈ کو ایک منضبط صورت عطا کر دی ہے اور تمام بزموں کے سامنے وہ سنگِ نشان (LAND MARKS) لا کر رکھ دیئے ہیں۔ جو ان کے آئندہ سفر کے لئے نشانِ راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کنونشن قابلِ مبارکباد ہے اور بزمِ کراچی کے نمائندہ اور ان کے رفقاء مستحقِ تحسین کہ تحریک کی جد و جہد کا ایک ایک گوشہ ضبطِ تحریر میں آ گیا اور پہلی بار اس ریکارڈ کو منضبط صورت دینے کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہو گئیں۔

کراچی کے بعد مرزا محمد خلیل، بزم لاہور کے تعارف کا فریضہ ادا کرنے مائیک پر آئے۔ انہوں نے اپنے ایک ایک رفیق کو منظرِ عام پر آنے کی دعوت دی اور بڑے جچے تلے اور موزوں الفاظ میں اس فریضہ کی تکمیل کی۔ بزمِ لاہور کے یہ احباب بھی نمائندگانِ کنونشن سے دیرینہ شناسائی رکھتے تھے اور جس طرح

اس بزم کو ہر کنونشن پر میزبانی کا اعزاز حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس کے یہ احباب بھی ذمہ داریوں کی تقسیم کار کے ساتھ ہر سال مہمانوں کی خدمت کے لئے کسی نہ کسی گوشے میں متعین نظر آتے ہیں اور ان کی یہ خدمات ان کے تعارف کی منہ بولتی تصویر بن کر سامنے آجاتی ہیں۔ بزم لاہور، مرکزی بزم کی حیثیت سے، ہر وقت اہم ذمہ داریوں سے دوچار رہتی ہے اور اس کے اراکین کی جہد مسلسل اور سعی پیہم میں نہ کبھی کوئی خلا پیدا ہوتا ہے۔ نہ وہ کبھی اس سے تھکتے ہیں۔

بزم لاہور کے تعارف کے ساتھ یہ سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچ گیا اور اس اجلاس کے پروگرام کے مطابق صدر کنونشن کمیٹی مرزا محمد خلیل نے اپنا استقبالیہ اور اس کے بعد ناظم ادارہ نے ادارہ طلوع اسلام کی سالانہ رپورٹ پیش کی۔ ناظم ادارہ کی اس رپورٹ کی روشنی میں طلوع اسلام کی اشاعت کو شایانِ شان طور پر آگے بڑھانے کا اہم مسئلہ ایوان میں زیر غور آیا۔ اور اس سلسلے میں مناسب منصوبہ بندی کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کر دی گئی جسے آئندہ اجلاس خصوصی میں اس سے متعلق رپورٹ پیش کرنیکا فریضہ سونپ دیا گیا۔ اور اجلاس برخاست ہو گیا۔

۱۸ مارچ کا پہلا کھلا اجلاس

۳ بجے بعد دوپہر کنونشن کا پہلا کھلا اجلاس شروع ہو رہا تھا۔ مفکرِ قرآن اس اجتماعِ عام میں "آرٹ اور اسلام" کے اہم موضوع پر خطاب فرمانے والے تھے۔ اور اس کی صدارت مصور مشرق عبدالرحمٰن چغتائی کے حصے میں آئی تھی۔ خطاب کی اہمیت کے پیش نظر اجلاس میں بے پناہ حاضری کی توقع تھی۔ اسلئے کنونشن کمیٹی نے قبل از وقت نشستوں کے سلسلے میں بڑے معقول انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ اجلاس شروع ہونے میں ابھی نصف گھنٹہ باقی تھا کہ اہل ذوق کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ اور جب اجلاس شروع ہوا۔ تو پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

ناظم ادارہ کے مناسب تعارف کے ساتھ مصور مشرق نے کرسیٔ صدارت سنبھالی اور تلاوت کلام پاک اور نظم اقبالؒ کے بعد مفکرِ قرآن اہل شوق کی بے تابیٔ تمنا کے لئے منت کشِ ایجاب بن کر اسٹیج پر نمودار ہوئے۔ پنڈال کے ہر گوشے سے پُرجوش تالیوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ "آرٹ اور اسلام" کا موضوع بصیرتِ قرآنی کی تب و تاب اور مفکرِ قرآن کا حسنِ بیان — پوری فضا تحسین و آفرین کی والہانہ صداؤں سے جھوم اٹھی۔ مذہبی پیشوائیت حسن کائنات اور فنِ لطیف کے بارے میں کسقدر رجعت پسندانہ اور منفی نقطہ لئے ہوئے ہے۔ قرآن کریم کی بارگاہ میں اس کی اہمیت کیا ہے۔ وہ کن شرائط

کے ساتھ جمالیات سے متمتع ہونے کی تاکید کرتا ہے اور جب وہ حسن کی تعریف ہی صحیح توازن واعتدال سے کرتا ہے تو کس طرح وہ یہ توقع کرتا ہے کہ حسنِ کائنات سے لذت یاب ہونے میں بھی اعتدال اور توازن قائم رکھا جائے۔ انہوں نے آرٹ کا قرآنی مفہوم متعین کرتے ہوئے اقبالؒ کے الفاظ میں کہا کہ ؎

عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال
عجم کا حسنِ طبیعت، عجم کا سوزِ دروں

اور ــــ اگر باِیں نرسیدی، تمام بولہبی است

ہم ہر شئے کے جانچنے اور اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کے لئے عقلِ خود فریب کی بھول بھلیوں میں کھو جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ حق اور باطل میں امتیاز قائم کرنے کے لئے خالقِ کائنات کی عطا فرمودہ روشنی قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ مفکرِ قرآن کی فکر و بصیرت کا امتیازی پہلو یہی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں قرآن کے سرچشمۂ حقیقت سے روشنی حاصل کرتی، اور اس کے فیصلے کو حرفِ آخر کا درجہ دیتی ہے۔ اسی امتیازی خصوصیت کے ساتھ جب وہ کسی اہم سے اہم موضوع کو منظرِ عام پر لاتے ہیں تو حقیقت کشائی کا یہ انداز قلب و نگاہ کو ایک نئی روشنی عطا کر دیتا ہے۔ آرٹ کے موضوع پر ان کا یہ خطاب اسی حقیقت کا آئینہ دار تھا۔ اور حاضرین یہ محسوس کر رہے تھے کہ ظن و تخمین کی بھول بھلیوں سے دامن چھڑا کر وہ ایک تابناک فضا میں پہنچ گئے۔

(مفکرِ قرآن کا یہ خطاب طلوعِ اسلام میں شائع ہو جائے گا)

۱۸ مارچ ــ رات کا کھلا اجلاس

طلوعِ اسلام کنونشن کا رات کا یہ اجلاس کھلا اجلاس قرار دے دیا گیا تھا۔ اور اس میں منتخب احباب اہم علمی مقالات پیش کر رہے تھے۔ لیکن شام ہی موسم اپنی شبِ گزشتہ کی چھیڑ خانیوں کے اعادہ پر اُتر آیا۔ اس صورتِ حال کے باوجود جب بارش تھم گئی تو ۹ بجے شب کے قریب اجلاس ترتیب پا گیا اور ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب نے اس اجلاس سے خطاب کیا۔ ڈاکٹر موصوف قرآنی فکر کے خاص شیدائیوں میں سے ہیں اور زندگی کے ہر گوشے کی حقیقت قرآن کریم کی روشنی میں سمجھنے کے لئے ان کا ذوقِ جستجو سرگرمِ کار رہتا ہے۔ ان کا خطاب بھی ہمیشہ اسی حقیقت کشائی کا مظہر ہوتا ہے اس دفعہ ان کے خطاب کا عنوان "عمل" کا مختصر سا لفظ تھا۔ لیکن جب انہوں نے "عمل" کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی شروع کی تو ہمارے عوام کے مذہبی معتقدات، توہم پرستیاں اور سلسلۂ

افراط و تفریط کھل کر سامنے آیا اور ساتھ ساتھ قرآن کریم کی روشنی میں گمراہی اور ضلالت کی یہ تاریکیاں بھی چھٹتی گئیں۔ موسمی خرابی کے باعث ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب کے بعد اجلاس اگلی صبح پر ملتوی کر دیا گیا۔

(ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ طلوع اسلام کی آئندہ اشاعتوں میں سامنے آئے گا۔)

۱۹ مارچ۔ صبح کا خصوصی اجلاس

ٹھیک ۹ بجے صبح نمائندگان کنونشن کا یہ خصوصی اجلاس محترم عزیز احمد قریشی (راولپنڈی) کی صدارت میں شروع ہوا۔ تلاوتِ قرآنِ کریم اور کلامِ اقبال کے بعد محترم حسن عباس رضوی فکرِ پرویز کے موضوع پر اپنا مقالہ لے کر آئے۔ رضوی صاحب تحریکِ قرآنی کے احباب میں مخصوص مقام رکھتے ہیں اور فکرِ قرآنی پر ان کی نظر بہت گہری ہے۔ پرویز صاحب کی بصیرتِ قرآنی کے صدقے میں، جو علم افروز حقائق و بصائرِ فکر و علم کی بارگاہوں میں نور پاش ہوئے ہیں ان سے کسبِ فیض کرنے میں رضوی صاحب نے بڑی سعی و کاوش کی ہے۔ اس لئے کنونشن میں ان کے مقالات بڑی توجہ اور انہماک سے سنے جاتے ہیں اور نمایاں حیثیت پاتے ہیں۔ رضوی صاحب کا یہ مقالہ بھی ان کی اسی سعی و کاوش کا شاہکار تھا۔ اور ایوان کی خصوصی توجہ کا مستحق قرار پایا۔

(رضوی صاحب کا یہ مقالہ آئندہ اشاعتوں میں سامنے آئیگا)

رضوی صاحب کے مقالے کے بعد فکرِ قرآنی اور اس کے ترجمان طلوعِ اسلام کے سلسلۂ اشاعت کو آگے بڑھانے کے لئے احباب نے اپنی اپنی آراء اور تجاویز پیش کیں۔ اس سلسلۂ کار کا آغاز مقررہ سب کمیٹی کی رپورٹ سے ہوا جسے پیش کرتے ہوئے محمد اسلام صاحب (کراچی) نے تحریک کے آرگن کی ضرورت و اہمیت واضح کی۔ اور اس کی آمد و خرچ کے اعداد و شمار نمائندگان کے سامنے پیش کئے۔ انہوں نے واضح کیا کہ طلوعِ اسلام کو خسارے سے بچانا اور اس کی اشاعت کو بڑھانا نمائندگانِ تحریک کے فریضہ میں شامل ہے اور انہیں عزم و ہمت سے یہ ذمہ داریاں اپنے سر لینی ہوں گی۔

محترم ظفر احسن محمود (لاہور) نے نمائندگان کو یاد دلایا کہ وہ اس سلسلے میں جو ذمہ داریاں قبول کریں، ان کے بارے میں یہ اچھی طرح سوچ لیں کہ انہیں بہرحال پورا کرنا ہے۔ وعدوں کو پورا نہ کرنے کے باعث تحریک کو جو نقصانات گوارا کرنے پڑتے ہیں، انہیں سن کر مجھے صدمہ ہوا ہے۔ اس روش کی بنا پر آپ میرِ کارواں کو گویا بنی اسرائیل کی طرح یہ کہہ رہے ہیں کہ "تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو جب فتح پا لو گے تو ہم حاضر ہو جائیں گے"۔ محترم ظفر صاحب کے اس خطاب نے نمائندگان کو بے حد متاثر کیا۔

اور انہوں نے اشاعتِ قرآنی کے سلسلے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر امداد و تعاون کی پیشکش کی۔

یہ اجلاس اختتام کے قریب تھا کہ محترم پرویز صاحب مائیک پر تشریف لائے اور فرمایا کہ آئندہ اجلاس جو "مجلسِ مذاکرہ" پر مشتمل ہوگا، بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں آپ احباب کی بیٹیاں اور بہنیں بڑی تعداد میں شریک ہوں گی۔ مجھے امید ہے کہ حسبِ سابق ان کا پورا احترام ملحوظ رکھا جائے گا۔ اور آپ کی نگاہوں کی پاکیزگی اس اجلاس کی کامیابی کی ضامن ہو گی۔

۱۹ر مارچ — بعد دوپہر مجلسِ مذاکرہ

مجلسِ مذاکرہ، طلوع اسلام کنونشن کی منفرد خصوصیات میں سے ہے۔ طلوع اسلام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہماری آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت صحیح قرآنی خطوط پر ہو تاکہ اس کے بعد، قوم خود بخود قرآنی صراطِ مستقیم پر چل نکلے۔ اسی لئے اس کی فکر اور پیغام کا اولین مخاطب قوم کا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہوتا ہے۔ لیکن اس طبقہ کے دل و دماغ میں صحیح تبدیلی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اچھی طرح ۔۔۔ سمجھ لیں کہ ان کے جذبات اور خیالات کیا ہیں، اور ان کے عزائم و مقاصد کیا ۔۔۔ یہ کس نہج سے سوچتے ہیں اور کس قسم کی آرزوئیں ان کے سینے میں پرورش پاتی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انہیں کوئی اسٹیج مہیا کی جائے جہاں سے یہ اپنے خیالات کا اظہار بلا کسی قسم کے تردد اور تذبذب کے کر سکیں طلوع اسلام نے انہیں اس قسم کی اسٹیج مہیا کی ہے جس کی شہادت مجلسِ مذاکرہ بہم پہنچاتی ہے۔ اس میں (بالعموم) اسی طبقہ کے نمائندے شریک ہوتے ہیں اور آداب و احترامِ محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے، بغیر کسی قسم کی جھجک اور ہچکچاہٹ کے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ مذاکرہ کا موضوع بھی انہیں کا منتخب کردہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس دفعہ ان کا موضوع تھا ۔۔۔

"میں کیوں زندہ رہنا چاہتا ہوں"

خود اس موضوع سے یہ اندازہ لگ سکتا ہے کہ یہ طبقہ زندگی کے اہم، بنیادی، مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے کس قدر بیتاب رہتا ہے۔

مجلسِ مذاکرہ کا آغاز ٹھیک دو بجے ہوا جبکہ پنڈال سامعین سے کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ صدارت کے لئے محترمہ مسز رضا علی (کراچی) کا اسمِ گرامی پیش ہوا۔ یہ خاتون ایک عرصہ تک انگلستان میں رہی ہیں اور وہاں کی معاشرتی زندگی کا مطالعہ ان نگاہوں سے کیا ہے جن میں بصیرتِ قرآنی کا سرمہ لگ رہا تھا۔ انہوں نے کرسیٔ صدارت کو مزین کیا تو تلاوتِ قرآن پاک کے لئے محترمہ بہن ثریا عندلیب مائیک

پر تشریف لائیں۔ محترمہ موصوفہ بزمِ طلوعِ اسلام سے اچھی طرح متعارف ہیں ـــ لاہور کے ممتاز ترین علمی خاندان کی چشم وچراغ ـــ خلیفہ شجاع الدین مرحوم کی صاحبزادی ـــ قرآنی فکر کی شیدائی۔ ـــ دل اور دماغ دونوں کے اعتبار سے مومنہ قانتہ ـــ صحن خانہ ہو یا بزمِ محفل ـــ ہر جگہ شمع قرآں کی روشنی کو عام کرنے والی ـــ انہی کی تلاوت سے مجلس کی ابتداء ہوئی اور انہی کے مقالہ سے مذاکرہ کا آغاز بھی۔ چونکہ مذاکرہ کے مقالات آئندہ اشاعت میں شائع ہو رہے ہیں اس لئے ان پر الگ تبصرہ تحصیل حاصل ہے۔ ان سے آپ خود اندازہ لگا سکیں گے کہ ان کا معیار کیا تھا)

ان کے بعد انجینئرنگ یونیورسٹی کے جیالوجی (علم الارض) کے پروفیسر خالد سلام اسٹیج پر آئے ـــ یہ جواں بخت، جواں سال، شمع قرآنی کے پروانے، بھی طلوعِ اسلام کی محفلوں کے جانے پہچانے ہیں۔ ان کا علمی موضوع کوہ کنی اور خارہ شگافی سے متعلق ہے۔ لیکن وہ اپنی سنگلاخ چٹانوں سے بصیرت قرآنی کی جوئے شیریں نہایت حسن کارانہ انداز سے نکال لاتے ہیں۔

خالد سلام کے بعد، از فرشفقت صاحب مائیک پر آئے ـــ پولیٹیکل سائنس کے ایم۔ اے اس کے ساتھ ایل۔ ایل۔ بی۔ ہنوز کالج کے ابتدائی مراحل میں سے گزر رہے تھے کہ قرآنی فکر سے لو لگ گئی۔ اور تعلیمی منازل کے ساتھ ہی ان کی یہ عمرِ عشق بھی دراز ہوتی گئی ـــ پاک دل، پاک بیں، قلبِ سلیم، دماغِ صالح ـــ زبان میں خفیف سی لکنت جس سے حسن بیان میں اور بھی نکھار پیدا ہو جائے ـــ یگانہ لکھنوی کے الفاظ میں ؎

بات آدھی مگر اثر دونا
کیسی لکنت زبان میں پائی

یہ پہلی بار اسٹیج پر آئے تھے لیکن بڑے کامیاب لوٹے۔

شفقت صاحب کے بعد، کنیرڈ کالج کی طالبہ عزیزہ (مس) غزالہ خان مائیک پر آئیں ـــ اربابِ مذاکرہ میں عمر کے اعتبار سے سب سے چھوٹی، لیکن ذہن کی پختگی اور نگاہ کی وسعت کے لحاظ سے بہت اونچی۔ انگلش اسکول کی اسٹوڈنٹ ہونے کی وجہ سے، مقالہ انگریزی زبان میں تھا۔ لیکن مقالہ کیا تھا نثر میں شاعری تھی۔ جس نے سمجھا وہ بھی جھوم اٹھا جس نے نہ سمجھا وہ بھی کیف اندوز ہوا ـــ اس قسم کی بچیوں کے ساتھ قوم کی بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

اناں بعد، پنجاب یونیورسٹی کے جیالوجی کے پروفیسر، منیر غضنفر اسٹیج پر آئے ـــ یہ جوانِ صالح بھی بزمِ طلوعِ اسلام کے جانے پہچانے ہیں ـــ جوانی سپیدۂ سحر کی طرح بے داغ ـــ فکر کی پختگی ـــ مزاج کے اعتدال اور نگاہ کی بلندی کے اعتبار سے اپنی عمر سے کہیں آگے ـــ انتہائی متانت اور سنجیدگی

کے جلو میں مائیک پر آئے اور سامعین کے دل کی گہرائیوں سے دادِ تحسین لیتے واپس لوٹے۔

اب آخر میں صاحبِ فکرِ قرآنی، پرویز صاحب کی عزیز ترین طاہرہ بیٹی (مس) شمیم انور اسٹیج پر آئیں۔ یہی درحقیقت اس کارواں کی سالار قافلہ ہیں۔ سارا مذاکرہ انہی کا ترتیب دادہ ہوتا ہے۔ خود قرآنی فکر میں ڈوبی ہوئی، اور ہر مقام پر اس کی پُرجوش اور بے باک مبلغ ــــ نہ معلوم طالبات کے کتنے قلوب کو شمعِ قرآنی کی روشنی سے منور کر چکی ہیں۔ ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق

ان کا مسلک ــــ اور ــــ

بزم ہو یا رزم ہو، پاک دل و پاک بیں ــــ ان کا شعار

ان کا مقالہ ہمیشہ دل کی صداقت اور زبان کی سلاست کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ نہایت جذب و شوق سے سنا جاتا اور ایک ایک فقرہ پر سامعین سے خراجِ تحسین حاصل کرتا ہے۔

اس مقالہ پر مرتب مذاکرہ کے مقالے تو ختم ہوئے لیکن اس کے بعد کاشانۂ پرویز کی دو بچیاں ــــ عزیزہ بیٹی نجمہ کوثر اور سلمیٰ پرویز ــــ حسبِ معمول باری باری اسٹیج پر آئیں اور اپنی سادہ لیکن پُرمعنی تقاریر سے فضا کی اثر انگیزی کو دوبالا کر گئیں۔

ان کی تقریروں کے خاتمہ پر، محترم محمد یوسف ضیاء صاحب نے ان کے لئے پچیس ۲۵ روپے کے انعام کا اعلان کیا۔ انہوں نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا، اور نہایت احترام کے ساتھ کالج فنڈ میں بطور عطیہ پیش کر دیا۔ اس کے بعد صدرِ مذاکرہ نے اپنے ارشادات سے سامعین کو نوازا۔

یوں یہ "حسین و سادہ رنگیں" مجلس اختتام پذیر ہوئی جس کے بعد سامعین، آئندہ کنونشن تک اس مجلسِ مذاکرہ کے انتظار کی کاوشیں دل میں لئے رخصت ہوئے۔

کیسی یادگار تھی یہ شام! ــــ

اس سلسلہ میں ایک بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے مجلسِ مذاکرہ میں بالخصوص، خواتین بھی بکثرت شریک ہوتی ہیں اور دوسری طرف نوجوان طالب علموں کا طبقہ بھی بکثرت موجود ہوتا ہے۔ یہ وہ نوجوان ہیں جن کی مبنیہ "بدتمیزیوں" "کارونا" اور تو اور، خود ان کے اساتذہ روتے رہتے ہیں۔ لیکن طلوعِ اسلام کی محفلوں میں کیا مجال جوان کی طرف سے اونچی سانس تک لینے کی بھی کسی کو شکایت پیدا ہو۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ماحول کی تبدیلی، ہمارے ان نوجوانوں کی نگاہوں میں کس قدر تبدیلی پیدا کر دیتی ہے جیسا کہ ہم نے متعدد بار کہا ہے ہمارے نوجوانوں کی فطرت خراب نہیں، ان میں بڑی صلاحیتیں ہیں ــــ یہ صرف

ماحول کی خرابی ہے۔ جوان پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ ان کے لئے مساعد ماحول اور سازگار فضا مہیا کر دیجئے۔ اور پھر دیکھئے کہ یہی نوجوان کس طرح قوم کی متاعِ گراں بہا بن جاتے ہیں۔

۱۹ مارچ ——— ۸½ بجے شب
مجلسِ استفسارات

۱۹ مارچ کی شب کو کنونشن کی اس اہم ترین اور علم افروز مجلس کا انعقاد تھا جو مجلس استفسارات کے نام سے ہر سالانہ کنونشن میں نمایاں دلکشی کی حامل قرار پاتی ہے۔ اس نشست میں مفکرِ قرآن زندگی کے عملی مسائل سے متعلق ہر اہم سے اہم سوال کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں پیش کرتے ہیں چنانچہ ساڑھے آٹھ بجے شب کنونشن کا پنڈال حاضرین سے کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ انہوں نے اپنی مخصوص نشست سنبھال لی اور ضابطہ کی پابندیوں سے آزاد اس مجلس کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ سابقہ اجلاس کے اختتام پر اس سلسلے میں جو اعلان عام کیا گیا تھا اسکے مطابق سوالات کا پلندہ میز پر پہنچ چکا تھا۔ اپنے جوابات پیش کرنے سے قبل پرویز صاحب نے اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا کہ کنونشن کی یہ مجلس ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے اور ہم اس مجلس میں رسمی پابندیوں سے آزاد ہو کر ایک گھرانے کے افراد کی طرح جمع ہوتے ہیں۔

آپ کے سوالات میرے سامنے ہیں اور آپ میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوگی کہ اُسے اپنے سوال کا جواب مل جائے لیکن یہ سوالات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان سب کے جواب کے لئے ایک الگ کنونشن منعقد کرنی چاہیئے۔ اس لئے اس ایک نشست میں یہ ممکن نہیں ہوگا کہ میں ہر ایک کی خواہش کو پورا کر سکوں۔ میں قرآن کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اور قرآن کی بارگاہ سے جو کچھ سمجھا ہے اُسے پیش کرتا ہوں۔ میں اپنی کسی بات کو غلطیوں سے پاک اور منزہ نہیں سمجھتا۔ اور نہ میری فکر و بصیرت کی کوئی پیش کش حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے میں اپنی غلطی کا بھی فراخ دلی سے اعتراف کر لیتا ہوں بشرطیکہ اس غلطی کو قرآن کریم کی روشنی میں مجھ پر واضح کر دیا جائے۔

میں اپنی اسی بصیرتِ قرآنی کی روشنی میں آپ کے سوالات کے جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ اگر آپ کا اطمینان ہو جائے تو مجھے مسرت ہوگی اور اگر کوئی بات وضاحت طلب رہ جائے تو آپ کسی فارغ وقت میں میرے پاس تشریف لا کر اس کی مزید وضاحت طلب کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کروں گا لیکن میں مناظرہ بازی کا قائل نہیں اور جو شخص ایسا ارادہ لیکر آنا چاہتا ہے میں اس سے معافی کا خواستگار رہوں۔

ان الفاظ کے ساتھ انہوں نے سوالات کا پلندہ سنبھال لیا اور ایک ایک کر کے بڑے اہم سوالات اور ان کے جوابات مجلس کے سامنے آنے لگے۔ حالیہ جنگ میں سبز پوشوں کی امداد اور نزولِ ملائکہ کے بارے میں قرآن کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ دعاؤں سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ بنی اسرائیل کی تباہی کے محرکات کیا تھے؟ قطبین میں جہاں چھ چھ ماہ کے دن اور رات ہوتے ہیں، نماز اور روزہ کے اوقات کیونکر متعین ہوں گے؟ نظامِ ربوبیت کا قیام کیونکر ممکن ہوگا؟ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء اور اسلامی تصورِ ارتقاء میں فرق کیا ہے؟ اسلام میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت کن حالات میں ہے؟ الائمہ من قریش کی روایت کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ تخلیقِ کائنات کا مقصد کیا ہے؟ —— یہ اور اس قسم کے لاتعداد سوالات سامنے آئے اور مفکرِ قرآن نے جس حقیقت کشا اور بصیرت آفریں وضاحت کے ساتھ قرآن کریم کی روشنی میں جواب دیئے اس سے بار بار سینکڑوں لبوں پر تحسین و آفرین کی بے ساختہ صدائیں اُبھرتی رہیں اور رات گئے تک پوری مجلس پر نور و نکہت کا پرکیف سماں طاری رہا۔ مجلس میں ہر مکتبۂ فکر و خیال کے وابستگان شامل تھے اور ان سب کے قلب و نگاہ برملا شہادت دے رہے تھے کہ ذہنِ انسانی کی الجھنوں کی جو عقدہ کشائی قرآن کے بابِ عالی سے میسر آسکتی ہے وہ کسی دوسری بارگاہ سے ممکن نہیں —— سوا گیارہ بجے شب کے قریب جب اس مجلس کا اختتام لازم ہوگیا تو ہر دل میں یہی ایک آرزو مچل رہی تھی کہ یہ نشست برابر جاری رہے اور یہ رات کبھی ختم نہ ہو۔

۲۰ر مارچ —— نَو بجے صبح کا کھلا اجلاس

اگلی صبح انوار کی صبح تھی —— سرکاری دفتروں کی تعطیل اور کاروبار کی بندش کے باعث یہ زندہ دلانِ لاہور کی فراغت کا دن تھا اور اس کے پیشِ نظر پنڈال میں حسبِ ضرورت نشستوں کا مزید انتظام کر دیا گیا۔ نَو بجے ڈاکٹر سید عبدالودود مسندِ صدارت پر متمکن ہوئے۔ تلاوتِ قرآنِ کریم اور نظمِ اقبال کے بعد ڈاکٹر صلاح الدین اکبر اپنا مقالہ لے کر سٹیج پر آئے۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر —— جو بعض زمانہ پر ہاتھ رکھ کر ماحول کی تاریکیوں میں اُمید کی کرنیں تلاش کرتے ہیں —— اپنی فکری کاوشوں کا قیمتی سرمایہ لے کر منتظر نگاہوں کے سامنے آئے۔ انہوں نے اپنے مخصوص ہلکے پھلکے لیکن نہایت بلیغ اور دلکش انداز میں موجودہ حالات کا جائزہ لیا۔ قوم کے نوجوان طبقہ کی امنگوں اور آرزوؤں کا تجزیہ کیا اور اس نوید جانفزا پر مقالہ کو ختم کیا کہ —— ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

(یہ مقالہ بھی طلوع اسلام میں شائع ہو جائے گا۔)

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر کے بعد پرویز صاحب ـــــ "میرا پیغام" کے عنوان سے ـــــ اپنی دعوتِ قرآنی کی تفاصیل منظرِ عام پر لا رہے تھے۔ عشق کے دردمند کا وہ پیغام وجہ شادابیٔ قلب و نگاہ بن رہا تھا جس میں دیدۂ تر کی بے خوابیوں، نالہ ہائے نیم شب کا گداز، رومی کا سوز و ساز، رازی کا پیچ و تاب، اس پیچ و تاب میں ڈوبی ہوئی امنگیں اور جستجوئیں اور سب سے بڑھ کر بصیرتِ قرآنی کی شدتِ آرزو کا حسین امتزاج نور و نکہت کی دلکشائیاں لئے ہوئے تھا۔ انسانی مفاد پرستیوں کی روشِ کہن کے ہاتھوں دینِ خداوندی پر کیا بیتی؟ خدا کا یہ عالم آرا دین از سرِ نو کیونکر حیاتِ انسانی کا مرکز و محور قرار پائے! کشف و الہام اور تصوف کی توہم پرستیوں کے لات و منات کی خدائی کیسے ختم ہو! دین و دنیا کی ثنویت کے تصورِ باطل سے کیونکر نجات حاصل ہو! نظامِ سرمایہ داری اور فرقہ بندی کی ظلمت انگیزیوں نے کیا کیا ڈھونگ رچائے ـــ! تحریکِ پاکستان کا منشاء و مقصود کیا تھا اور مذہبی پیشوائیت کیونکر اس کے آڑے آئی! خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کا مفہوم کیا ہے اور اس کے قیام کا مقصد کیا! بزمہائے طلوعِ اسلام کی تشکیل کن تقاضوں کی حامل ہے! نئی نسل کی صحیح تعلیم و تربیت کس قدر ضروری اور ناگزیر ہے! ـــ پرویز صاحب کا پیغام انہی نکات کی تفسیر اور اسی اجمال کی تفاصیل پر مشتمل تھا۔ پرویز صاحب نے اس پیغام کے ایک ایک گوشے کی وضاحت کی اور گزشتہ تیس پینتیس برس میں اس دعوتِ قرآنی کے جو محرکات ابھر ابھر کر سامنے آتے رہے انہوں نے ایک ایک کر کے ان سب کو اجاگر کیا۔

خطاب کے آخر میں انہوں نے طلوعِ اسلام کالج کے قیام اور بالآخر اسے یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچانے کی ضرورت و اہمیت واضح کی اور اسے اپنی دعوتِ انقلاب کی آخری کڑی قرار دیا۔ کیونکہ یہی درسگاہ اس پیغام کے مقصود و منتہا کو محسوس و مشہود پیکروں میں متشکل کر سکے گی۔ اور اسی سے قوم ایک نیا موڑ مڑنے اور تاریخ کے دھارے کا رُخ بدلنے کے قابل ہو سکے گی۔ انہوں نے آخر میں دعا کی کہ خدا اس شدتِ آرزو اور بے تابیٔ تمنا کو شرفِ ایجاب عطا فرمائے۔

(یہ خطاب چند صفحات کے بعد آپ کے سامنے آجائے گا)

پرویز صاحب کے اس خطاب کے خاتمہ پر سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی شیخ سراج الحق صاحب نے اپنی رپورٹ پیش کی اور حاضرین کے رخصت ہو جانے کے بعد نمائندگان کنونشن کا خصوصی اجلاس شروع ہوا۔ اس اجلاس میں ضروری قراردادیں ایوان کے سامنے آئیں اور ایک ایک کر کے انہیں ضروری ترمیمات کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔

(قراردادوں کی تفصیل روئیداد کے آخر میں دیکھئے!)

قرارداد دں کی منظوری کے بعد قرآنی فکر اور طلوع اسلام کی اشاعت کے فروغ کے سلسلے میں حسب ذیل مجلس قائمہ (STANDING COMMITTE) کی تشکیل عمل میں آئی۔

(۱) ظفر احسن محمود — (کنوینر) (۲) مفتی مظفر حیات — (سیکرٹری)
(۳) خان عبدالحکیم خان (۴) عزیز احمد قریشی
(۵) محمد اسلام (۶) سراج منیر (۷) حسن عباس رضوی

اس مجلسِ قائمہ کے بعد حسب ذیل احباب پر مشتمل ایک لغات فنڈ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کی یہ ذمہ داری قرار پائی کہ وہ لغات فنڈ کی حفاظت کے سلسلے میں ضروری اقدامات بروئے کار لائے۔

(۱) مرزا محمد خلیل — (کنوینر) (۲) ظفر احسن محمود (۳) چوہدری عبدالرحمٰن صاحب۔

ان کمیٹیوں کی تشکیل کے بعد ایوان نے بزمہائے طلوع اسلام کے دستور اساسی اور اصولی ہدایات کو حسبِ ضرورت نئی ترتیب دی اور ضروری ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ اسے بالاتفاق رائے منظور کر لیا۔

۲۰ر مارچ — ۳ بجے بعد دوپہر

آخری کھلا اجلاس

ٹھیک تین بجے بعد دوپہر کنونشن کا یہ آخری اجلاس جب محترم ظفر احسن محمود کی صدارت میں شروع ہوا۔ تو پنڈال کی حاضری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ مفکرِ قرآن کے خطاب کا موضوع تھا — خدا کی مرضی — ہر معاملہ اور ہر بات میں "خدا کی مرضی" کے الفاظ قدم قدم پر سننے میں آتے ہیں۔ لیکن "خدا کی یہ مرضی" ہے کیا۔؟ اس پر علیٰ وجہ البصیرت شاید ہی کبھی کسی نے غور کیا ہو — "خدا کی مرضی" — (تقدیر کا مسئلہ) — بجائے خود ایسا موضوع تھا جس کی حقیقت کشائی کے لئے ہر شخص بے تاب دکھائی دیتا تھا۔ لاہور کے اہل علم و فکر طبقہ کی خاصی تعداد جوق در جوق شریک اجلاس ہوئی تھی۔ اور جب پرویز صاحب نے اپنی مخصوص نشست سنبھالی تو پورا پنڈال گوش بر آواز تھا۔ اس اہم خطاب کا آغاز انہوں نے اپنے مخصوص دلنشیں (بلکہ محسا کاتی) انداز میں کیا۔ انہوں نے مائی بھولی کے اکلوتے نورِ نظر کی جوانی کی موت، شہاب مدبر معاش کے ہاں دولت کی فراوانی اور جاہ و حشم، نادرہ کی خانہ ویرانی کی روزمرہ کی داستانوں سے "خدا کی مرضی" کا مروجہ مفہوم واضح کیا اور اس مرضی کے سامنے انسان کی مجبوری اور بے بسی پر "اربابِ شریعت کی مہر تصدیق" کا پس منظر بے نقاب کرتے ہوئے ان آیاتِ قرآنی کی تفصیل پیش کی جن کے خود ساختہ اور گمراہ کن مفہوم

سے "خدا کی اس مرضی" کا ناگزیر تسلط وجہ جواز کے طور پر ذہن انسانی پر مرتسم کیا جاتا ہے اور پھر ایک ایک کر کے ان آیات کے حقیقی مفہوم کو علی وجہ البصیرت نمایاں کیا۔

مفکرِ قرآن ذہنِ انسانی کی ان غلط اندیشیوں کے پردے چاک کرتے ہوئے آگے بڑھے اور قرآنی تعلیم کا وہ نقطۂ ماسکہ پیش کیا جو قانونِ مکافاتِ عمل کی حیثیت سے انسانی زندگی کے فیصلوں کا سرچشمہ قرار پایا ہے۔ یعنی اعمالِ انسانی کا ہر نتیجہ کسی دھاندلی یا لاابالیت سے نہیں بلکہ خدا کے مقررہ قوانین کی رُو سے سرانجام پاتا ہے اور افراد و اقوام کی قسمتوں کے فیصلے کسی ادنیٰ رُو رعائت یا زیادتی کے بغیر انہی قوانین کے مطابق تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ اس مقام پر انہوں نے اس وضاحت کی ضرورت محسوس کی، کہ تقدیرِ الٰہی کے اس گمراہ کن تصور نے اُمت کے عقائد میں کیونکر سازشِ عجم کے ہاتھوں راہ پائی۔ اور ہمارے ہاں کی ملوکیت نے اپنی ذاتی مفاد پرستیوں کی خاطر اسے کس عیاری اور مکاری سے عوام کے ذہنوں میں راسخ کر کے افیون کے ٹیکے کی طرح انہیں صدیوں کی گہری نیند سلا دیا۔ اور اپنے ظلم و استبداد کی کارفرمائیوں کو تقدیرِ خداوندی کے اٹل فیصلے قرار دے کر اندیشہ ہائے دور و دراز سے فارغ ہو گئے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں اس کے المناک انجام کو سامنے لاتے ہوئے ان کی یہ درد بھری آواز فضا میں گونجی کہ ؎

"تن بہ تقدیر" ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

یعنی جس قوم کی نگاہوں سے کبھی زمانے کی تقدیریں بدل جایا کرتی تھیں وہ صدیوں سے اپنی تقدیر کا رونا روتی چلی آ رہی ہے۔ ان کا یہ اہم خطاب ایک دعوتِ انقلاب کی صورت میں تقدیر کے اس قرآنی مفہوم پر ختم ہوا کہ ؎

تو اپنی سرنوشت خود اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں!

خطاب ختم ہوا تو حاضرینِ انکشافِ حقیقت کے ایک نئے اور نور افشاں ماحول میں کھڑے تھے قرآن کے ایک عظیم طالب علم نے اپنی بصیرتِ قرآنی سے وہ تمام پردے چاک کر دیئے تھے جو تقدیر کے پُرفریب مفہوم کو قلب و نگاہ پر مسلط کر کے صدیوں سے انسانی قوتِ عمل کو مفلوج کئے چلے آ رہے تھے۔ خطاب کے اختتام پر میں نے مصور مشرق عبدالرحمٰن چغتائی صاحب کو اگلی قطار میں بجیب حیرت و استعجاب کے عالم میں دیکھا۔ وہ اپنے ایک آرٹسٹ رفیق کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ گویا کہہ رہے تھے، کہ دیکھا قرآن کے ایک طالب علم کا اعجاز کہ کس طرح قرآن کے یدِ بیضا سے صدیوں کے طلسمِ سامری کو توڑ

کر رکھ دیتا ہے۔ وہ ایک مصوّرِ مشرق ہی نہیں، پنڈال میں موجود ایک ایک فرد کے لبوں پر والہانہ تحسین اُبھر رہی تھی ۔ دلوں میں انگڑائیاں لیتا ہوا ایک نیا عزم زبانِ حال سے پکار رہا تھا کہ ؎

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی !

(یہ خطاب بھی زینتِ دہِ اوراقِ طلوعِ اسلام ہو جائے گا۔)

اس بصیرت افروز اور انقلاب آفریں خطاب کے بعد کھلا اجلاس برخاست ہوا اور مختصر سے وقفے کے بعد نمائندگانِ کنونشن کا آخری خصوصی اجلاس اسی مقام پر محترم عزیز احمد قریشی (راولپنڈی) کی صدارت میں شروع ہو گیا۔ محترم اسلام صاحب (کراچی) نے حسبِ ضابطہ کوئٹہ سب کنونشن کی قراردادیں برائے توثیق پیش کیں۔ جنہیں بالاتفاق منظور کر لیا گیا اور اس تصدیق سے ضابطہ کی کارروائی تکمیل پا گئی۔ اس توثیق کے بعد آئندہ سب کنونشن کا مسئلہ سامنے آیا اور ایوان نے بالاتفاق رائے اس کا انعقاد ادارہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

آئندہ سالانہ کنونشن کے بارے میں ایوان اس فیصلے پر پہنچا، کہ یہ سالانہ اجتماع ۱۹۶۷ء میں ہو۔ اور اس کی تاریخوں کا تعین بھی ادارہ طلوعِ اسلام اپنی صواب دید کے مطابق طے کرے۔

نمائندگانِ کنونشن کے ان فیصلوں کے بعد محترم پرویز صاحب کے الوداعی خطاب کی باری تھی ۔ اپنے خطاب میں انہوں نے کنونشن کی کامیابی پر اظہارِ مسرت کیا۔ اور اس کے شاندار نتائج پر سب کو مبارک باد دی۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ بزمیں، اور ان کے ارکان حالات کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھیں گے۔ اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں جہدِ مسلسل سے کام لیتے ہوئے نظامِ قرآنی کے امکانات کو روشن تر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔

یہ خطاب ختم ہوا تو نکھرے ہوئے آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔ رات شروع ہو چکی تھی اور سالانہ کنونشن کا آخری مرحلہ حسن و خوبی سے تکمیل پا چکا تھا۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک

قرار دادیں

قرار داد نمبر (۱)

ملک میں وقتاً فوقتاً جو خلفشار پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اور اس میں قوم کا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ بھی بدقسمتی سے ملوث ہو جاتا ہے، طلوع اسلام کنونشن اس کے اسباب و علل پر گہرے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اس کا بنیادی سبب ہمارا موجودہ غلط نظامِ تعلیم ہے۔ اسی میں طالبعلموں کے سامنے نہ زندگی کی مستقل اقدار پیش کی جاتی ہیں، نہ انہیں مقصدِ حیات سے آگاہ کیا جاتا ہے انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ زندگی کا مقصد کیا ہے اور تعلیم کا منتہیٰ کیا۔ نتیجہ یہ کہ ان کی صلاحیتیں، مستقل اقدار کے سانچوں کی پابند رہ کر، نفع بخشی کا موجب بننے کی بجائے، حدود فراموش سیلاب کی طرح تباہی کا موجب بن جاتی ہیں۔ موجودہ طریق جس کی رُو سے بچوں کو دینیات کے چند مسائل یاد کرا دیئے جاتے ہیں اور بڑوں کو کچھ قدیم کتابیں رٹا دی جاتی ہیں، بجائے کسی فائدہ کے الٹا نقصان کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ تجربہ نے بتایا ہے کہ مذہب سے بیگانہ نوجوان اسلام سے اس قدر متنفر نہیں ہوتا جس قدر یہ دینیات کا نصاب پڑھنے والا طبقہ مذہب گزیدہ ہوتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامیات سے متعلق نیا نصاب مرتب کیا جائے جس کی بنیاد قرآن کریم کی مستقل اقدار اور غیر متبدل اصولِ حیات ہو۔ سیرتِ نبی اکرمؐ سے ان کے تائیدی شواہد پیش کئے جائیں اور ان کی روشنی میں علوم حاضرہ سے استفادہ اور عقل و فکر کے استعمال کی اہمیت اس طرح اجاگر کی جائے کہ یہ نوجوان زندگی کے اہم مسائل کا حل وحی خداوندی کی روشنی میں دریافت کرنے کے قابل ہو سکیں

طلوع اسلام کنونشن حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ اسلامیات سے متعلق موجودہ نصاب تعلیم کو بدل دیا جائے کیوں کہ اس سے فائدے کی بجائے الٹا نقصان ہو رہا ہے اور خطوط بالا کے مطابق جدید

نصاب مرتب کرنے کے لئے جلد از جلد عملی اقدامات کئے جائیں۔

محرک — عزیز قریشی صاحب

طے پایا کہ اس قرارداد کی نقول مرکزی اور صوبائی وزرائے تعلیم کی خدمت میں بھیجی جائیں۔

قرارداد نمبر (۲)

پاکستان کے حصول سے مقصد یہ تھا کہ اس میں اسلامی نظامِ زندگی رائج کیا جائے اس نظام میں معاشی مسئلہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ معاشیات کا سوال یوں تو تاریخ کے ہر دور میں انسانوں کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ لیکن اس زمانے میں اس نے خاص نزاعی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خود ہمارے ملک میں بھی اس باب میں طرح طرح کے خیالات ابھرتے جا رہے ہیں۔ کسی گوشے میں کمیونزم کو سراہا جا رہا ہے کہیں سے اسلامی سوشلزم کی ایک نئی اصطلاح اُبھر رہی ہے کبھی فلاحی مملکت کا تصور سامنے لایا جاتا ہے۔

قرآن کریم اپنا الگ معاشی نظام رکھتا ہے جو ان تمام نظامہائے معیشت سے منفرد اور متمیز ہے جن کا تصور آجکل عام طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس نظام کی رو سے افرادِ مملکت کی اقتصادی ضروریات کا مسئلہ بھی نہایت اطمینان بخش طریقے سے حل ہو جاتا ہے اور ان کی ذات کی نشوونما کا سامان بھی مہیا ہو جاتا ہے اسطرح اس امت کی اس دنیا کی زندگی بھی خوشگوار بنوں اور مرفہ الحالیوں کی زندگی ہو جاتی ہے اور اُخروی زندگی بھی سرفرازیوں اور کامرانیوں کی زندگی۔

طلوع اسلام کنونشن غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اگر یہاں قرآنی نظامِ معیشت رائج نہ کیا گیا تو زمانے کے حالات جس تیزی سے بدل رہے ہیں اس کے پیشِ نظر خطرہ ہے کہ ہم کمیونزم کے باطل نظام کے سیلاب میں نہ بہہ جائیں جسکے بعد ہم اسلامی زندگی بسر کرنے کے قابل نہ رہیں۔

اندریں حالات یہ کنونشن حکومت سے درخواست کرتی ہے کہ پاکستان کے معاشی نظام کو قرآن کریم کی روشنی میں متعین کرنیکے بعد اسے ملک میں رائج کرنے کے عملی اقدامات جلد از جلد کئے جائیں تاکہ ہم اس راستے پر چل پڑیں جو ہمیں پاکستان کی منزلِ مقصود تک لے جائے۔

محرک — خان عبدالحکیم خان (مردان)

قرار پایا کہ اس قرارداد کی نقول صدر مملکت اور وزیر قانون مرکزی حکومت کی خدمت میں بھیجی جائیں۔

قرارداد نمبر (۳)

پاکستان اس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا کہ یہاں صحیح اسلامی نظام رائج کیا جا سکے۔ اس نظام کی

ترویج کے لئے بنیادی سوال ان قوانین کا مرتب کرنا ہے جو صحیح معنوں میں اسلامی قرار پا سکیں۔ ان قوانین کا مرتب ہونا تو ایک طرف اس اٹھارہ سال کے عرصہ میں یہ بھی متعین طور پر طے نہیں پا سکا کہ ان قوانین کے مرتب کرنیکا اصول کیا ہونا چاہیئے حالانکہ یہ اصول بالکل واضح ہے مسلمانوں کا بنیادی ضابطہ حیات قرآن کریم ہے جو زمان و مکان کے اثرات سے ماورا غیر متبدل اور اٹل ہے اسمیں کچھ متعین قوانین و احکام دیئے گئے ہیں اور باقی امور کے متعلق اصولی ہدایات۔ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان احکام و قوانین کو علیٰ حالہٖ نافذ کرے اور دیگر امور کیمتعلق قرآنی اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے جزئی قوانین اپنے زمانے کے تقاضوں کیمطابق خود مرتب کرے یہ اصول غیر متبدل ہیں گے اور ان کی روشنی میں وضع کردہ قوانین ضروریات کے مطابق بدلتے جائیں گے۔

طلوع اسلام کی یہ کنونشن پورے غور و تدبر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ جب تک قانون سازی کا یہ طریق اختیار نہیں کیا جائیگا پاکستان کیلئے صحیح اسلامی قوانین مرتب نہیں ہو سکینگے۔ لہٰذا یہ کنونشن حکومت سے گزارش کرتی ہے کہ وہ قانون سازی کے اس اصول کو اپنا کر اسکے مطابق قانون سازی کے لئے ضروری اقدامات کرے تاکہ ملک موجودہ کشمکش سے نکل جائے اور اس مقصد کیطرف اپنا قدم بڑھا جائے جس کیلئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔

محرک — محمد اسلام صاحب

طے پایا کہ قرارداد کی نقول محترم صدر مملکت اور وزیر قانون مرکزی حکومت کی خدمت میں بھیجی جائیں۔

قرارداد نمبر (۴)

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس نمائندہ بزم طلوع اسلام پشاور مرزا علی احمد خاں مرحوم کے سانحۂ رحلت کو تحریک قرآنی کا ناقابل تلافی نقصان سمجھتا ہے اور بزمہائے طلوع اسلام کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے اس سانحۂ پر دلی رنج و ملال اور پسماندگان مرحوم کے ساتھ دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

محرک — صدر اجلاس ڈاکٹر عبدالودود صاحب

اس قرارداد کی ایک نقل مرزا صاحب مرحوم کے فرزند کو ارسال کیجائے۔

قرارداد نمبر (۵)

طلوع اسلام کنونشن کا یہ سالانہ اجتماع بزم طلوع اسلام اسلام آباد کے سرگرم رکن محترم محمد سلیم شہید کی حالیہ پاک بھارت معرکۂ حق و باطل میں شہادت کے اعزاز کو تحریک قرآنی کا گرانقدر سرمایہ قرار دیتے ہوئے مرحوم کی اس عظیم قربانی پر خراجِ تحسین پیش کرتا ہے اور پسماندگانِ مرحوم کو دلی ہمدردی اور تعاون کا یقین دلاتا ہے۔

محرک — صدر اجلاس ڈاکٹر عبدالودود صاحب

قرارداد کی ایک نقل مرحوم کی زوجۂ محترمہ کو بھیجی جائے۔

قرارداد نمبر (۶)

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس بزم راولپنڈی کے ممتاز رکن ملک ظہور احمد صاحب کا بخلوص قلب شکر گذار ہے کہ انہوں نے کئی ماہ سے مسلسل جانفشانی اور عرق ریزیوں سے پرویز صاحب کے ٹیپ پر ریکارڈ شدہ خطابات اور سلسلۂ دروسِ قرآن کریم کو ضبطِ تحریر میں لانیکی مساعیٔ جمیلہ کا آغاز کر رکھا ہے اور اس کنونشن میں سعی و کاوش کے حسین و جمیل سلسلے کی پہلی قسط پرویز صاحب کی خدمت میں پیش کر دی گئی ہے۔ کنونشن ملک صاحب موصوف سے یہ امید کرتی ہے کہ تحریکِ قرآنی کی خدمت کا یہ سلسلہ اسی طرح کامیابی سے جاری رہیگا۔

محرک ــــ صفدر سلیمی

موید ــــ حسن عباس رضوی

قرارداد نمبر (۷)

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس محترم شیخ محمد یوسف صاحب کا بخلوص قلب سپاس گزار ہے کہ انہوں نے کرمفرمائی سے کام لیتے ہوئے اپنے بنگلہ کا ایک حصہ نمائندگان کنونشن کے قیام کیلئے کنونشن کمیٹی کی تحویل میں دیدیا اور اس طرح ان کے لئے قابلِ قدر سہولت مہیا کی۔

محرک ــــ ظفر احسن محمود

اس قرارداد کی ایک نقل شیخ محمد یوسف صاحب کی خدمت میں بھیجی جائے۔

قرارداد نمبر (۸)

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس محترم شیخ سراج الحق صاحب کا شکر گذار ہے کہ انہوں نے کنونشن کے پنڈال، طعام گاہ، بک سٹال اور رہائشی ضروریات کیلئے حسب ضرورت اپنی قیامگاہ کنونشن کمیٹی اور نمائندگان کنونشن کے استعمال کے لئے ان کے سپرد کر دی۔

محرک ــــ چوہدری عبدالرحمٰن

اس قرارداد کی ایک نقل شیخ سراج الحق صاحب کی خدمت میں بھیجی جائے۔

قرارداد نمبر (۹)

بزم طلوع اسلام لاہور تمام شرکائے کنونشن کی شکر گذار ہے کہ انہوں نے موسمی شدائد اور دیگر رکاوٹوں کے باوجود کنونشن میں شرکت کی اور اسے کامیاب بنایا۔

محرک ــــ مرزا محمد خلیل صاحب

قرارداد نمبر (۱۰)

طلوع اسلام کنونشن کا یہ سالانہ اجلاس بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کا شکر گذار ہے کہ اس نے طول و عرض پاکستان سے آنے والے نمائندگان کنونشن کے قیام و طعام کے سلسلے میں موسمی شدائد کے باوجود ممکن سہولتیں مہیا کیں۔

محرک ــــ حسن عباس رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پرویز صاحب

آپ آگئے تو رونقِ کاشانہ ہو گئی

رفقائے کاروانِ قرآنی! میرا محبت بھرا ہدیۂ سلام و رحمت قبول فرمائیں!

میری تنہائیوں کے غمگسار اور امیدوں کے مرکز دوستو! خدا کا شکر ہے کہ قریب ڈیڑھ سال کے انتظار کے بعد ہمیں پھر سے مل بیٹھنے کی مسرت اور سعادت نصیب ہوئی ہے۔ یہ مدت بڑی طویل اور یہ مرحلہ بڑا صبر آزما تھا لیکن آپ احباب کے تصور نے اس عرصہ کی درازی کو سمٹا کر بہت مختصر کر دیا اور اس کی صعوبات کو راحتوں سے بدل دیا

بیادِ گیسو و رخسارِ یار گزری ہے
بڑے مزے میں شبِ انتظار گزری ہے

اور پھر کنونشن کے انعقاد کی تاریخیں مقرر کر دینے کے بعد تو یوں کہیئے گویا آپ احباب کے پاؤں کی آہٹ میرے لئے ہر وقت فردوسِ گوش بنتی رہی۔ آپ کی یاد کی شمیم جانفزا، دوشِ ہوا پر مستانہ وار آتی اور در و دیوار کو مہکاتی چلی گئی

اس مرتبہ، ان انتظار کی گھڑیوں میں گزشتہ ستمبر کی جنگ کا حادثہ بھی شامل تھا۔ یوں تو یہ جنگ سارے ملک کے لئے بڑی جانکاہ آزمائش اور کاہش کا موجب تھی۔ لیکن ہم اہل لاہور کے لئے اس کے تاثرات کچھ اور انداز کے تھے۔ ہمارے، اور بھارت کے جناتی لشکر کے درمیان پاکستانی مجاہدین کی بس ایک دیوار حائل تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ دیوار، بنیانِ مرصوص تھی لیکن، بایں ہمہ، یہ خدشہ تو ہر وقت موجود تھا کہ اگر خدانکردہ اس دیوار میں کسی وقت ذرا سا بھی رخنہ پڑ گیا تو دشمن کے سپاہی ہمارے گھروں کے صحن میں ہونگے ——— اس دشمن کے سپاہی کہ انسانیت جس کے پاس نہیں پھٹکی۔

اور شرافت کا جس نے نام تک نہیں سنا۔ چنانچہ یہاں کامل سترہ دن اسی بیم و رجا میں گزرے کہ ـــــ اب چھری صیاد نے لی اب قفس کا در کھلا ـــــ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمارے جسور و غیور دکلاں گیر مجاہدین نے اپنی جانیں تک قربان کر دیں لیکن اس بنیانِ مرصوص میں رخنہ تو ایک طرف کہیں دراڑ تک نہ پڑنے دی ان کی گراں بہا قربانیوں نے قوم کی متاعِ عزت و ناموس کو بچا لیا۔ کتنا بڑا احسان ہے ان کا ہماری اور ہماری آنے والی نسلوں کی گردن پر! ؎

سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملّت ما سازگار آمد

جنگ کے دوران، اندرونِ ملک کے دور دراز گوشوں تک سے احباب کا مسلسل اصرار رہا کہ میں اپنا مستقر چھوڑ کر کسی زیادہ محفوظ مقام کی طرف منتقل ہو جاؤں۔ بہت سے بہی خواہوں نے اس سلسلہ میں جملہ انتظامات کی پیش کش بھی کی۔ ان کا اندیشہ قابلِ فہم اور ان کا جذبہ مستحقِ ستائش تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ میرے یہاں سے اٹھ جانے سے کتنوں کے حوصلے پست اور کتنوں کی ہمتیں شکستہ ہو جائیں گی۔ اس لئے میں نے یہاں سے جانا مناسب نہ سمجھا۔ الحمدللہ کہ وہ سیلابِ بلا بخیر و خوبی گذر گیا۔

یہ امر بھی موجبِ صد اطمینان ہے کہ آگ اور خون کے اس طوفان میں ہمارے تمام احباب، جو ملک کے مختلف حصّوں میں بکھرے ہوئے تھے، ہر مقام پر بخیریت رہے۔ البتہ ایک چہرہ ایسا ہے جس کے تلاش میں میری پُر اشتیاق نگاہیں بار بار اٹھتی ہیں اور با صد حسرت و یاس کا شانۂ چشم میں لوٹ آتی ہیں۔ یہ چہرہ ہے ہماری بزمِ اسلام آباد کے جواں سال، جواں ہمت، نمائندہ برادر عزیز محمد اسلم کا جو جنگ چھڑنے کے چار ہی دن بعد، لاہور کے محاذ پر، دشمن سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اس شہیدِ وفا کی ذات سے تحریک کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ وہ بڑے مخلص کارکن اور قرآنی تعلیم و نظام کے شیفتہ تھے۔ افسوس! کہ ہم ان کی رفاقت سے محروم ہو گئے۔

تاباں تھیں جن سے غم کدۂ جاں کی وسعتیں
پلکوں پہ وہ چراغ سرِ شام بجھ گئے !!

اے ملتِ اسلامیہ کے جانثار اسلم! اپنے غمزدہ احباب کی پُر نم آنکھوں کا سلام قبول کر! ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بزمِ راولپنڈی کے احباب نے، مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ اُس اخوت اور رفاقت کا ثبوت دیا جو ایک قرآنی مسلمان کا شیوہ ہے۔ ان کی اس فرض شناسی کا میرے دل پر گہرا اثر ہے۔

ملک کے دیگر کاروبارِ حیات کے ساتھ، اس جنگ کا اثر ہماری تحریک کی سرگرمیوں پر بھی پڑا۔ رفقائے کار، بیک انداز و دگر، ہنگامی کشمکش سے متاثر رہے اس لئے وہ تحریک کے کاموں کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ بایں ہمہ، یہ امر موجبِ اطمینان ہے کہ ایسے تشویش انگیز حالات میں بھی احباب اس فریضہ کی طرف سے غافل نہیں رہے۔ لاہور کے خصوصی حالات کے پیشِ نظر، یہاں چند ایک ہفتہ واری درسوں کا ناغہ ہوا۔ دوسرے مقامات پر یہ سلسلہ بھی بدستور جاری رہا۔

سردست جنگ کا ہنگامی خطرہ تو ٹل گیا ہے۔ لیکن ہمیں اس فریب میں مبتلا ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیئے کہ اب پاکستان کی حفاظت اور سالمیت کے متعلق کوئی خطرہ ہی باقی نہیں رہا ـــــ ع

چراغ گل کر کے بیٹھ جانا تو کچھ دلیلِ سحر نہیں ہے

جیسا کہ آپ احباب پر واضح ہے، پاکستان کا تحفظ عام نقطۂ نگاہ سے بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن قرآنی فکر و نظر کے حاملین کے لئے تو یہ دینی تقاضا ہے۔ ہمارے لئے پاکستان محض وطن کی حیثیت نہیں رکھتا ہے ـــ یہ ایک ایسا خطۂ زمین ہے جسے ہم نے قرآنی نظام کی آماجگاہ بننے کے لئے حاصل کیا ہے، اس لئے اس کی حفاظت کے لئے ہر کوشش جہاد ہے۔ اور کوئی ایسا خیال، نظریہ یا حرکت جس سے اس کی حفاظت اور سالمیت کو کسی قسم کے نقصان کا احتمال یا امکان ہو، بارگاہِ خداوندی میں جرمِ عظیم ـــ ہمیں اس کی اس حیثیت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیئے کہ اس خطۂ زمین کی حفاظت کے بعد ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گئے ہیں، جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے، یہ خطۂ زمین مقصود بالذات نہیں بلکہ ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور وہ مقصد ہے قرآنی نظام کا قیام۔ ہمیں اس مقصد کے حصول کی طرف سے تغافل یا تساہل نہیں برتنا چاہیئے۔ اس کے لئے بہرحال اور بہر نوع کوشش جاری رکھنی چاہیئے ـــ لیکن اسے بھی یاد رکھیئے کہ اس کوشش کے لئے ہمارا طریق کار ہنگامہ آرائی اور تماشہ گری نہیں، ہمارا طریق نہایت خاموش اور پُرامن طور پر قرآنی فکر کو عام کئے جانا ہے۔ تاکہ اس نظام کے قیام کا تقاضا، لوگوں کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے۔ ہم میں سے بعض تیز طبائع پر اس طریق کار کی سست روی بعض اوقات گراں گزرتی ہے۔ وہ عام سیاسی جماعتوں کے ہنگامہ آرائی کے پروگرام اختیار کرنے کی تجویز کرتے ہیں۔

ان کی خدمت میں گزارش ہے۔ کہ ہمارا یہ طریقِ کار، قرآنی فکر، تاریخی شواہد اور انسانی نفسیات کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے۔ جو احباب ہمارے ہمسفر ہونا چاہیں انہیں یہ سب کچھ سمجھ سوچ کر شریک ہونا چاہیئے۔ یہ کوہ کنی بڑی صبر آزما ہے۔ یہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں، پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے کے مرادف ہے جس میں قدم قدم ہی چلا جا سکتا ہے ورنہ سانس اکھڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یاد رکھئے! قلب و نگاہ میں انقلاب اس بر اہیمی انداز ہی سے پیدا کیا جا سکتا ہے جس میں انہیں (تمثیلاً) بتایا گیا تھا کہ جنگل کے غیر مانوس پرندوں کو کیسے سدھایا جاتا ہے۔ اس میں شور و غوغا تو ایک طرف، پتہ کھڑکنے سے بھی پرندہ اڑ جایا کرتا ہے۔ اگر یہ مقصد ہنگامے برپا کرنے سے حاصل ہو سکتا تو خدا کے آخری رسولؐ کی عمرِ رسالت کا نصف سے زیادہ حصہ مکہ کی شکیب آزمائیوں میں کیوں گذر جاتا — بیتابیٔ تمنا اور صبرِ طلبیٔ عشق کی اس کشمکشِ پیہم میں اسلام کے السابقون الاولون کی قلبی کیفیات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ ؎

خبر نہیں کہ نگارِ سحر کی حسرت میں
تمام رات چراغِ وفا پہ کیا گزری

اسی قسم کی بیتابیٔ تمنا کا مظاہرہ بعض ایسے احباب کی طرف سے بھی ہوتا ہے جو تقاضا کرتے رہتے ہیں کہ اب ہمیں کچھ اور پروگرام بھی ملنا چاہیئے۔ میں ایسے احباب سے باادب پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے موجودہ پروگرام کو بخیر و خوبی مکمل کر چکے ہیں جو اس کی اگلی کڑی کا تقاضا شروع کر دیا ہے؟ آپ کا موجودہ پروگرام یہ ہے کہ قرآنی فکر کو ملک میں اس طرح عام کیا جائے کہ قرآنی نظام کے قیام کا تقاضا آپ کی اپنی جماعت ہی کا نہیں، پوری ملتِ پاکستانیہ کا قلبی تقاضا بن جائے — ذرا سوچئے، کہ کیا یہ کچھ ہم کر چکے ہیں؟ کیا اس فکر کی اشاعت ملک گیر ہو چکی ہے؟ کیا آپ اسے ہر کان تک پہنچا چکے اور ہر دل میں اتارنے کا فریضہ ادا کر چکے ہیں؟ — جب آپ اس فریضہ سے فارغ ہو جائیں گے تو پھر اس پروگرام کی اگلی کڑی کا مطالبہ کیجئے گا۔ اس وقت اگلی کڑی کا مطالبہ قبل از وقت ہے ؎

ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
بڑھے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی!

میرے عزیز ہمسفرو! اگر آپ درازیٔ منزل اور سستیٔ رفتار سے تھک کر بیٹھ گئے، تو یاد رکھیئے۔ آپ کی ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔ منزل سے دو قدم ورے تھک کر بیٹھ جانے والا اور سرے سے آغازِ سفر نہ کرنے والا، نتیجہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہوتے ہیں لیکن وقت اور توانائی کے ضائع ہونے کے اعتبار سے، منزل کے قریب پہنچ کر بیٹھ جانے والا، زیادہ خاسر و نامراد ہوتا ہے اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

اَعْمَالُهُمْ۔ انہی کے لئے آیا ہے۔ محتاط رہیئے کہ کہیں آپ کا شمار بھی اسی زمرہ میں نہ ہو جائے ــــ یہ بڑی حرماں نصیبی ہوگی۔ ؎

راہوں کا غبار ہو گئے ہیں
جن کو نہ ملے تیرے ٹھکانے

یہ آوازیں بھی میرے کانوں میں پڑتی رہتی ہیں کہ صاحب! جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر پہلے ہمیں خود عمل کرنا چاہیئے اس کے بغیر ہم دوسروں کو اس کی دعوت کس طرح دے سکتے ہیں؟ یہ اعتراض بظاہر وزنی معلوم ہوتا ہے اس لئے بڑی توجہ کا محتاج ہے۔ پہلے آپ اسے سمجھ لیجئے کہ ہم کہتے کیا ہیں؟ ہم کہتے یہ ہیں کہ ملک کا سیاسی، معاشی، معاشرتی نظام قرآنی بنیادوں پر متشکل ہونا چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ اس دعوت یا مطالبہ پر ہم انفرادی طور پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں؟ ہمارا کام یہ ہے کہ اس دعوت کو عام کرتے جائیں۔ تاآنکہ ملک کے اجتماعی نظام میں اس قسم کی تبدیلی پیدا ہو جائے

البتہ ہماری اس فکر کا دوسرا گوشہ ایسا ہے جس پر انفرادی طور پر عمل کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ ہم باہمی معاملات میں (خواہ وہ اپنوں کے ساتھ ہوں یا غیروں کے) عدل و احسان سے کام لیں ایکدوسرے کے ساتھ حسن تعاون کا ثبوت دیں۔ احترام انسانیت بہر حال ملحوظ رکھیں۔ ہم بات کے سچے اور قول کے پکے ہوں۔ حسد، کینہ، تنگ نظری، منافقت وغیرہ انسانیت کش جذبات سے اپنے سینوں کو پاک رکھیں۔ یہ، اور اسی قسم کے دوسرے محاسن ہیں جن پر انفرادی طور پر عمل کیا جا سکتا ہے اور اس کی میں شروع سے تاکید کرتا چلا آرہا ہوں۔ اگر کوئی شخص، قرآن کا نام لینے کے باوجود، اپنے اندر اس قسم کی تبدیلی تا بحدِ امکان پیدا نہیں کرتا تو اس کی بدنصیبی پر رونا چاہیئے۔ ؎

زتیرہ بختیٔ آئینہ حیرتے دارم!
ترا کشید در آغوش و آفتاب نشد!

اس قسم کے اعمالِ حیات پر عمل، خارجی قوانین، یا رسمی قواعد و ضوابط کی رُو سے نہیں کرایا جا سکتا۔ مالی خیانتوں کا عدل تو قانون کے زور سے کرایا جا سکتا ہے، نگاہ کی خیانتوں کا عدل دنیا کا کون سا قانون کرا سکتا ہے؟ یہ عدل صرف خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان کی رُو سے ہو سکتا ہے جو نگاہ کی خیانتوں اور دل کے ارادوں تک سے بھی واقف ہے۔ اگر قرآن کا نام لینے والوں کا دل بھی اس ایمان سے عاری ہے تو ان میں اور دوسروں میں فرق کیا ہے؟ یاد رکھیئے عزیزانِ من! آپ کی تحریک محض ایک تنظیم

کا نام نہیں ـــ یہ دل و نگاہ کی تبدیلی کی تحریک ہے۔ یہ صرف قرآنی تصورات کو ذہنی طور پر سمجھ لینے کی تحریک نہیں۔ یہ ان تصورات کے مطابق اپنے اندر انقلاب پیدا کرنے کی تحریک ہے۔ اگر آپ کے اندر اس قسم کا انقلاب پیدا نہیں ہوتا، تو پھر آپ کی اس تحریک سے وابستگی نہ صرف بے مقصد ہے، بلکہ خود فریبی کا موجب بھی ہے۔ ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ ـــ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں !

لیکن اس ضمن میں ایک ابلیسی حربہ سے محتاط رہنے کی بڑی ضرورت ہے۔ ہمارا پندارِ نفس ہمیں ہمیشہ اکساتا رہتا ہے کہ ہم دوسروں کے نقائص تلاش کرتے اور انہیں ان کی کمزوریوں پر مطعون کرتے رہیں۔ اس سے اس کا مقصد اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا رکھنا ہوتا ہے کہ مجھ میں یہ کمزوریاں نہیں ـــ جب آپ کسی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بڑا تنگ نظر ہے تو اس سے آپ درحقیقت اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ میں تنگ نظر نہیں، کشادہ ظرف ہوں۔ یہ نفس انسانی کا بہت بڑا فریب ہے۔ انسان کے لئے سب سے مقدم کرنے کا کام احتسابِ خویش ہے۔ آپ نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ قرآن کریم نے انسان کا سب سے بڑا محاسب، خود اس کے اپنے نفس کو قرار دیا ہے۔ اس لئے ہمیں دوسروں کے نقائص کی ٹوہ میں رہنے کے بجائے، خود اپنی کمزوریوں پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔ آپ کے محاسن دوسروں کی اصلاح کا مؤثر ترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔

جہاں تک آپ کی تحریک کی رفتارِ ترقی کا تعلق ہے، اسے آپ بزموں کے اراکین کی تعداد سے نہ ماپئے۔ بزموں کی رکنیت کی شرائط بڑی کڑی ہیں اس لئے اس منزل تک پہنچنے والوں کی تعداد زیادہ ہو نہیں سکتی۔ لیکن جہاں تک آپ کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کا تعلق ہے، بلاشائبۂ تردید کہا جا سکتا ہے ـــ اور یہ کہتے ہوئے میرا سر نیاز بدرگاہِ رب العزت جھک جاتا ہے ـــ کہ اس وقت ملک کے سنجیدہ، ہوشمند طبقہ میں کوئی دوسری فکر اس قدر مقبول نہیں، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ملک میں کوئی دوسری مربوط قرآنی فکر موجود ہی نہیں۔ آپ کسی صاحب ہوش سے بات کر کے دیکھئے۔ وہ آپ کی زبان میں گفتگو کرے گا۔ آپ کو یوں محسوس ہوگا گویا وہ پہلے ہی سے آپ کی تلاش میں تھا۔ کسی فکر سے فضا کا غیر شعوری طور پر اس طرح معمور ہو جانا، عزیزانِ من ! کچھ کم کامیابی نہیں ـــ اور کامیابی بھی اس بے سروسامانی کے ساتھ !

عشق جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے

آپ کی اس فکر سے ذہنوں میں یہ تعمیری تبدیلی ہو رہی ہے۔ دوسری طرف یہ کیفیت ہے کہ غیر قرآنی فکرِ قدیم کی عمارتوں کی اینٹیں ایک ایک کر کے گرتی چلی جا رہی ہیں۔

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے

کہیں کوئی مذہب گزیدہ حجرۂ مسجد سے یہ کہتا ہوا نکلتا نظر آتا ہے کہ ؎

تیری باتوں سے آج تو واعظ
وہ جو تھی خواہشِ نجات ، گئی!

اور کہیں کوئی ارباب طریقت کا زخم خوردہ یہ کہتا ہوا گوشۂ خانقاہ سے باہر نکلتا دکھائی دیتا ہے کہ ؎

وہی خاص و عام کا تفرقہ ، وہی بیش و کم کا معاملہ
میں سمجھ رہا تھا کہ میکدہ میں سکوں ملے گا ، مگر کہاں

غرضیکہ عجمی فکرِ قدیم کی ہر عمارت کی بنیادوں میں تزلزل آ چکا ہے اور ہر صاحبِ عقل و ہوش کسی پناہ گاہ کی تلاش میں یوں سراسیمہ پھر رہا ہے، جیسے زلزلہ کی آمد سے پہلے، پرندے حواس باختہ پھڑپھڑاتے نظر آتے ہیں۔ ان مضطرب و سکون باختہ قلوب کو قرآن کے آستانے کے سوا اور کہاں پناہ مل سکتی ہے۔ یوں، برادرانِ عزیز! خود زمانے کے تقاضوں نے آپ کی پیش کردہ قرآنی فکر کے لئے فضا کو سازگار کر دیا ہے یہ اگر ملائکہ کی تائید نہیں تو اور کیا ہے؟ کس قدر خوش بخت ہے آپ کا یہ مختصر سا گروہ جس نے قرآن کے پیغام کو اس وقت عام کیا جس وقت زمانہ خود اس کی تلاش میں تھا۔ اسے اچھی طرح سن رکھیئے کہ زمانے کا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم زمانے کی امامت کے لئے بھیجا گیا ہے اور آپ اسی قرآن کا پیغام زمانے کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

تحریک کے فروغ کے سلسلہ میں ایک اور اہم نکتہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی تحریک بھی پیسے کے بغیر چل نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی کریم میں مالی قربانی پر اس قدر زور دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ تحریکوں میں مالدار بھی شامل ہوتے ہیں اور غریب آدمی بھی۔ اور آسمانی انقلاب کی تحریک کے سلسلہ میں تو ابتداءً غریب لوگ ہی زیادہ تعداد میں آگے بڑھتے ہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرامؑ کی جن جماعتوں کا ذکر کیا ہے اس میں اس حقیقت کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ کی اس تحریک میں بھی زیادہ تعداد غیر مستطیع احباب کی ہے اور بہت کم حضرات ایسے ہیں جو تحریک کے

مالی کاموں میں نمایاں حصہ لے سکتے ہیں۔ جو حضرات تحریک کی مالی امداد کرتے ہیں۔ ان کی یہ قربانی قابلِ ستائش ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو اس کا احساس کرنا چاہیئے۔ لیکن جو احباب غیر مستطیع ہیں، اور مالی تعاون نہیں کر سکتے یا نسبتاً کم حصہ لے سکتے ہیں، انہیں اپنے دل میں قطعاً اس امر کا خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ انکا مقام دیگر احباب کے مقابلہ میں کسی طرح بھی پست ہے۔ قرآنی میزان میں، عزت اور مقام کا معیار عمل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مالی امداد، عمل کی صرف ایک شکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عمل کی دوسری شکلوں میں ان احباب کا پلڑا جھکتا ہو جو مالی امداد نہیں کر سکتے، یا اس میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر مالی امداد کرنے والے، محض اپنے اس عمل کی وجہ سے، غیر مستطیع احباب کو ذرا بھی کسی ایسی نگاہ سے دیکھیں گے جس سے ان کی کسی قسم کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو، تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جائے گا۔ سورۂ توبہ میں ہے۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ ـــ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ـــ تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس تحریک کے لئے اپنی دوڑ دھوپ کے علاوہ اور کچھ پیش کر سکنے کے قابل نہیں بعض لوگ انہیں بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں اور ان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۹/۷۹) ـــ ان کی اس ذہنیت کا نتیجہ ان کے لئے الم انگیز تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ـــ محض امارت کو تقربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھنے والوں کے متعلق دوسرے مقام پر ہے کہ وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى ـــ خالی مال و دولت یا جتھہ کی زیادتی تمہیں خدا کا مقرب نہیں بنا سکتی ـــ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ـــ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم قرآنی ہدایت کی صداقت پر ایمان رکھو اور صلاحیت بخش کام کرو۔ اس کے ساتھ ہی اگر تم مالی قربانی بھی کرو گے تو ـــ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا ـــ (۳۴/۳۷) تو تمہارے اعمال کا تمہیں دگنا معاوضہ ملے گا۔ لہٰذا، ہمیں قرآن کریم کی اس راہنمائی کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے ـــ اور ایک دوسرے کے ساتھ اخوت اور مساوات کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ یاد رکھیئے ـــ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ـــ بارگاہِ خداوندی میں سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرتا ہے۔ خود میری نگاہوں میں بھی، وہ غریب و نادار جو قلبِ سلیم اور نگاہِ پاک لے کر آتا ہے، زیادہ محبوب ہوتا ہے ـــ ؎

کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

میں نے اس دفعہ اپنے ایک خطاب کا موضوع "میرا پیغام" رکھا ہے جس میں آپ کی اس تحریک

کی تفصیل آجائے گی۔ اس لئے میں اس وقت صرف انہی چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔ لیکن آخر میں ایک گزارش ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ احباب اتنا دور دراز کا سفر طے کر کے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ تحریک کے مختلف پہلوؤں پر بحث و تمحیص کریں گے۔ باہمی مشاورت سے کچھ فیصلے کریں گے جنہیں قرار دادوں کی شکل میں پاس کریں گے۔ علاوہ ازیں کچھ انفرادی وعدے بھی کریں گے۔ ان قرار دادوں اور وعدوں کے متعلق اتنا خیال رکھیئے کہ ان کی حیثیت پختہ معاہدوں کی ہے جن کا پورا کرنا آپ کا قرآنی فریضہ ہو جاتا ہے۔ "قرآنی فریضہ" اس لئے کہ قرآن کریم نے ایفائے عہد پر بڑا زور دیا ہے اور کہا ہے کہ وعدوں سے متعلق تم سے بارگاہِ خداوندی میں سوال ہوگا۔ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا یا نہیں۔ لہٰذا، آپ قرار دادیں پاس کرتے، یا انفرادی وعدے کرتے وقت سوچ لیجئے کہ آپ انہیں پورا بھی کر سکیں گے یا نہیں۔ جن قرار دادوں پر آپ عمل نہ کریں، یا جن وعدوں کو پورا نہ کریں، ان کا یہاں اعلان کر کے، آپ خواہ مخواہ عدالتِ خداوندی میں مجرم کیوں بنتے ہیں؟ اس سے تو بہتر ہے کہ آپ اس قسم کے وعدے کریں ہی نہیں۔ اس سے آپ ایسے سنگین جرم کے ارتکاب سے تو بچ جائیں گے۔ اگر آپ نے اپنے کسی سابقہ وعدہ کو ابھی تک پورا نہیں کیا تو اس کی خود اپنے آپ سے معافی مانگیئے۔ اور آئندہ ہر وعدہ سے پہلے سوچ لیجئے کہ آپ اسے پورا بھی کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر قرآن کریم کی تعلیم سے ہم نے اپنے اندر اتنی تبدیلی بھی پیدا نہیں کی کہ ہم ان وعدوں کی پاسداری کریں جو ہم خود اپنی تحریک کے ساتھ کرتے ہیں تو اس تعلیم کا فائدہ کیا ہوا؟ —— اس پر بڑی سنجیدگی سے غور کیجئے عزیزانِ من! کہ یہ بڑی غور طلب بات ہے!

آخر میں، میری دلی آرزو ہے کہ آپ کا یہ اجتماع ان بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنے جن کے لئے آپ اس تحریک سے وابستہ ہیں اور آپ کی کوششیں بار آور ہوں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ والسلام

اگر آپ چاہتے ہیں

کہ آپکو ہر مطلوبہ کتاب بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے مل جائے ——!

تو یکصد روپے یکمشت یا چار ماہانہ قسطوں میں جمع کرا کر ادارہ کے پیشگی خریدار بن جائیے

اور —— اس سہولت سے فائدہ اٹھایئے

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

مرزا محمد خلیل صاحب
صدر کنونشن کمیٹی

استقبالیہ

برادرانِ عزیز القدر۔ سلام و رحمت

(۱) ہم ہزار موسمِ بہار سے بھاگنا چاہیں لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ موسمِ بہار ہمیں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ ہم نے بہت سوچ بچار کے بعد ۱۹۶۴ء کی کنونشن موسمِ سرما میں منعقد کی اور اس کے کامیاب تجربہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ۱۹۶۵ء کی کنونشن بھی اکتوبر، نومبر ہی میں ہو۔ اس کے لئے تیاریاں بھی کر لیں گئیں لیکن ستمبر میں اچانک جنگ چھڑ گئی جس کی وجہ سے اس قسم کی تقاریب کے انعقاد کا سوال ہی ختم ہو گیا۔ اب اس کے بعد ہمیں پھر موسمِ بہار میں جمع ہونا پڑا۔ ویسے بہار کا موسم اور وہ بھی لاہور میں، ہوتا ہے بڑا زندگی بخش۔ تازہ شگوفے پھوٹتے ہیں۔ درخت پھولوں سے لد جاتے ہیں۔ خشک ٹہنیوں کے جھروکے سے زندگی جھانکتی ہے۔ ہر طرف تازہ دم سبزہ لہلہاتا ہے۔ موسم جنتی ہوتا ہے۔ یعنی نہ زیادہ گرم نہ زیادہ سرد۔ گُل و لالہ کے اس ہجوم میں، مَیں اپنی طرف سے اور اپنے تمام احباب کی طرف سے آپ کا دلی مسرت کے ساتھ استقبال کرتا ہوں۔ آپ آ گئے تو رونق کاشانہ ہو گئی۔

(۲) **کنونشن کے انعقاد** کا مسئلہ سابقہ کنونشن میں حل ہو گیا تھا۔ ۲۵ ربی۔ گلبرگ کی تو انفرادی حیثیت رہی ہی نہیں۔ ہمارے رفیق محترم شیخ سراج الحق صاحب اور اُن کے گرامی قدر ہمسایہ محترم محمد یوسف صاحب نے حسبِ سابق نہایت کشادہ ظرفی سے اپنے مکانوں کے دروازے ہمارے لئے کھول دیئے اور اس طرح ہمیں ایسی پریشانی سے بچا لیا جو کئی سال سے ہمارے لئے دردِ سر کا موجب ہوا کرتی تھی اور جس کا عملی تجربہ بھی کل رات کی بارش نے کرا دیا۔ مَیں اِن ہر دو احباب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(۳) جسطرح لاہور کا نام سارے پاکستان میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح، نہ معلوم، لاہور کی بزم کے متعلق آپ احباب کتنے بلند تصورات رکھتے ہونگے۔ اللہ ہمارا یہ بھرم بنائے رکھے لیکن سچی بات یہی ہے کہ یہ بزم بھی غریبوں ہی کی بزم ہے لیکن ایسے غریبوں کی جنہوں نے تحریک کے سلسلے میں کسی پروگرام کو اپنے تنگیٔ داماں کی وجہ سے منسوخ تو ایک طرف ملتوی بھی نہیں ہونے دیا۔ اور اس کی یہی بلند ہمتی ہے جس کی وجہ سے ہمارا یہ بھرم بنا ہوا ہے۔ میں اپنے ان مخلص رفقاء پر جس قدر بھی فخر کروں کم ہے۔ ان کا انفرادی تعارف، تعارفی اجلاس میں، ہو چکا ہے۔ ان کا عملی تعارف آپ کو قریب قریب ہر کنونشن میں ہوتا رہا ہے اور اب ان تین دنوں میں بھی ہو جائیگا۔

(۴) گذشتہ کنونشن میں طلوع اسلام کالج کے سلسلے میں سلسلہ جنبانی ہوئی تھی۔ اس ضمن میں اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کے متعلق محترم شیخ سراج الحق صاحب اپنی رپورٹ میں ذکر کریں گے۔ جسے وہ کسی کھلے اجلاس میں پیش کریں گے۔ میں قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے خزانچی کی حیثیت سے صرف اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن بزموں نے کالج فنڈ کی فراہمی کا کام اپنے ذمہ لیا تھا ان میں سے صرف چند ایک نے اپنے وعدے کا ایفا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ ملک کے ہنگامی حالات ہوں لیکن میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس درس گاہ کے کھولنے میں ہم جتنی تاخیر کریں گے۔ ہمارے مفکر قرآن کی اتنی ہی عمر کم ہو جائے گی۔ اگر آپ اپنے ہاتھوں سے ہی ان کی عمر کم کرنا گوارا کر سکتے ہیں تو پھر اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بہرحال یہ مسئلہ کنونشن میں زیر غور آئے گا۔ اس وقت جو فیصلہ مناسب سمجھیں کر لیجئے گا۔

(۵) میں اور میرے رفقاء نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ آپ کا یہاں کا قیام حتی الامکان آرام دہ ہو لیکن جیسا کہ آپ احباب کو اس کا احساس ہے۔ ہمارے اس اجتماع میں نہ کوئی میزبان ہوتا ہے اور نہ مہمان۔ ہم سب ایک مشترکہ مقصد کے لئے باہم دگر رفیق ہیں۔ اور مخلص رفیقوں کے ہاں کسی شکایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کنونشن کے کیمپ کمانڈنٹ میرے رفیق عزیز سرور خان ہیں آپ کو کسی قسم کی کوئی دقت پیش آئے تو اسے ان تک پہنچا دیجئے۔ اس سلسلے میں احباب کی سہولت کے لئے پنڈال میں کنونشن کے انتظامیہ کے ارکان اور ان کے فرائض کی ایک لسٹ بھی آویزاں کر دی گئی ہے۔ تاکہ احباب ان سے بلا تامل استصواب کر سکیں۔ نماز کے لئے جیسا کہ اکثر احباب کے علم میں ہوگا۔ مقام کنونشن کے بالکل قریب دو مساجد موجود ہوتے ہوئے نماز باجماعت کا کوئی علیحدہ انتظام دانستہ طور پر نہیں کیا جاتا۔ چونکہ اس سے فرقے کی بنیاد پڑتی ہے۔ احباب ان مساجد میں جا کر نماز

پڑھیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

(۶) ایک اور چیز جس کے بارے میں احباب کو توجہ دلانا مفید ہوگا یہ ہے کہ اگرچہ ہمارے متفق الخیال لوگوں اور موافقین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے جو نہایت خوش آئند و امید افزا ہے لیکن آپ دیکھیں گے کہ ہماری بزموں میں نئے چہروں کا اضافہ اسی نسبت سے نہیں ہو رہا ہے اور بزم ہائے طلوع اسلام کی اکثریت انہیں ہستیوں پر مشتمل ہے جنہیں ہم سالہاسال سے جانتے ہیں تحریک کی رفتارِ ترقی کو جانچنے کا صحیح معیار میرے خیال میں یہ ہونا چاہیئے کہ اس میں نئے خون کی بمقابلہ پرانے کے کیا نسبت ہے۔ امید ہے کہ حالیہ کنونشن کے دوران احباب مل جل کر اس اہم سوال پر غور کر کے نہ صرف اس کا تجزیہ کریں گے بلکہ ایسی مثبت تجاویز پیش کر سکیں گے جس سے ہم نئی نسل کو اس روح پرور پیغام سے روشناس کرا کر انہیں تحریکِ قرآنی نظامِ ربوبیت کے سچے مجاہد بنا سکیں۔

(۷) آخر میں۔ ایک بار پھر اپنی اور اپنے احباب کی طرف سے آپ تمام احباب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کے لئے ہمارا دیدۂ دل فرشِ راہ ہے۔

والسلام

اسبابِ زوالِ امّت
پرویز صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف
جس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے!
مصنّف کی نظرِ ثانی کے بعد اس کا تازہ اور جیبی ایڈیشن شائع کیا گیا ہے
اپنی فرمائش جلد بھیجئے
قیمت۔ ڈیڑھ روپیہ
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵ بی گلبرگ لاہور

رپورٹ

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

رفقائے محترم!

آج جبکہ سولہ ماہ سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد ربط باہمی کی یہ سالانہ مجلس پھر آراستہ ہوئی ہے۔ ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے میں آپ سب احباب کو اس خوشگوار موقعہ پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کی آمد سے اس فضا میں ایک بار پھر جذب و مسرت کے قہقہے سنائی دے رہے ہیں۔ کیف و مستی کا ایک نشاط انگیز سماں بندھ رہا ہے۔ شگفتہ امنگوں اور شاداب عزائم کی ایک نئی لبساط بچھ رہی ہے اور ہم سب ایک بار پھر اس قابل ہیں کہ فکرِ قرآنی کی جس شمعِ نورانی کو لے کر ہم کئی سال قبل حالات کی تاریکیوں میں گذرگاہِ حیات پر آمادۂ سفر ہوئے تھے، اس کی روشنی کو آگے بڑھانے اور چار دانگِ عالم میں پھیلانے کے لئے نئے سامان پیدا کریں۔ نئی تدابیر زیرِ غور لائیں اور اس طرح خدا اور اسلام کی بارگاہ میں سرخرو ہونے کے لئے کوشاں ہوں۔ قرآنی فکر و عمل کی یہ تحریک جو مخالفت کی تند و تیز آندھیوں میں دھیمی دھیمی رفتار سے جانبِ منزل رواں ہے آپ احباب کی رفاقت کو قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ آپ کی اس سے پُرشوق اور پُرخلوص وابستگی ہماری امیدوں کا سرمایہ ہے۔ اس کے لئے آپ جس سعی و کاوش اور عزم و ہمت سے کام لے رہے ہیں وہ ہمارے حسنِ طلب کی شادابیوں کا موجب ہے۔ آپ کے والہانہ تعاون سے اس خیابانِ آرزو کی رونقیں قائم ہیں۔ آپ جن جن حلقوں میں آباد ہیں وہاں آپ کی امکانی کوششوں سے دعوتِ قرآنی کی شمعیں جلوہ بار اور اس کی نشیدِ انقلاب فردوسِ گوش بن رہی ہے۔ آپ نے اب تک اس کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کیلئے ہم آپکے رہینِ منت ہیں۔

میں نے جو کچھ اب تک آپ کے سامنے پیش کیا یہ ہمارے ربط باہمی کی تصویر کا ایک رُخ ہے۔ لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے جو مجھے اپنی زبان پر حرفِ شکایت لانے پر مجبور کر رہا

ہے۔ اس لئے — ؎

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے!

آپ ہر سالانہ کنونشن پر بڑی مقدس آرزوئیں اور پاکیزہ امنگیں لے کر ملک کے دور دراز گوشوں سے جمع ہوتے ہیں۔ میں آپ کی اس شدتِ آرزو کے تقاضوں کو بخوبی سمجھتا ہوں کہ جس قرآنی تصورِ حیات نے آپ کو یہ جذبِ دروں عطا کیا ہے وہ جلد از جلد ایک جیتے جاگتے نظام میں متشکل ہو۔ اور نوعِ انسانی کو صدیوں کے بعد پھر اپنی وہ کھوئی ہوئی جنت ملجائے جو حضور رسالتمآبؐ اور آپکے صحابہ کبارؓ کے مبارک ہاتھوں وجود پذیر ہوئی تھی۔ آپ کی ان امنگوں اور آرزوؤں کے خلوص سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن سوچئے کہ اس دور کے ہنگامہ ہائے رستخیز میں اس عالمگیر اور جہاں آرا منزل مراد تک پہنچنے کے لئے کس ہمہ گیر جد وجہد، کن منظم ترین ذرائع اشاعت اور کن موثر ترین مالی وسائل کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ اس بڑھیا کی انٹی کے برابر بھی نہیں جو یوسفؑ کو خریدنے مصر کے بازار میں نکلی تھی۔ اس بیچاری نے یہ کچھ تو کیا تھا کہ اس انٹی کی صورت میں اپنی ساری پونجی لے کر گھر سے نکل پڑی تھی۔ کیا ہمارے لئے ابھی یہ سوچنے کا وقت نہیں آیا کہ ہم جس یوسفِ دوراں کو خریدنے نکلے ہیں، قرنِ اول میں اس کی کس قدر بھاری قیمت ادا کی گئی تھی اور عصرِ حاضر کے تقاضوں نے اب اس کی قیمت کو کس حد تک بڑھا دیا ہے۔

ہم ہر سال یہاں کس قدر ذوق وشوق اور ولولوں کے جلو میں جمع ہوتے ہیں۔ باہم مل جل کر کیا کچھ سوچتے ہیں۔ یہ سب کچھ سوچنے کے بعد اپنے آئندہ لائحہ عمل کو قرار دادوں کی صورت میں آخری شکل دیتے ہیں اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے اپنے مقامات کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔ یہی فیصلے ہیں جن کی تکمیل سے آپ کی منزلِ مراد آپ کے قدم لینے آگے بڑھ سکتی ہے۔ کیا اس کے بعد ضروری نہیں کہ آپ اس کا جائزہ لیں کہ ان قرار دادوں پر عمل کس حد تک ہوا ہے؟

اشاعتِ کتب

پچھلی کنونشن کے بعد اب تک ادارہ نے جو کتابیں شائع کیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) .... قرآنی فیصلے (حصہ سوم)

(۲) .... بہارِ نو .... (۳) مقامِ حدیث

(۴) .... اسلامی معاشرت

(۵) .... اسبابِ زوالِ اُمت

پبلک اجتماعات اور پرویز صاحب کے خطابات

سالہائے ماسبق کی طرح بزم لاہور کے زیر اہتمام پبلک جلسوں اور پرویز صاحب کے بصیرت افروز خطابات کا سلسلہ پچھلے سال سے برابر کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ ان کی تفصیل بھی سن لیجئے:۔

(۱)	۶ دسمبر ۱۹۶۴ء	وائی۔ایم۔سی۔اے ہال	(موضوع)۔	کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات۔
(۲)	۲۵ دسمبر ۱۹۶۴ء	" " "	"	یوم قائداعظم۔ (نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں)
(۳)	۱۷ جنوری ۱۹۶۵ء	" " "	"	یوم بدر۔
(۴)	۳۱ جنوری "	۲۵۔بی۔ گلبرگ	"	ہم عید الفطر کیوں مناتے ہیں۔
(۵)	۷ فروری "	" "	"	جشنِ نزولِ قرآن
(۶)	۲۳ مارچ "	وائی۔ایم۔سی۔اے ہال	"	یوم پاکستان (ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں)
(۷)	۱۴ اپریل "	" " "	"	یوم انجم (مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام)
(۸)	۲۱ اپریل "	" " "	"	یوم اقبال
(۹)	۲۲ مئی "	وائی۔ایم۔سی۔اے ہال	"	یوم سرسید (مدرسہ علیگڑھ کی تاسیس پر)
(۱۰)	۲۶ جون "	" " "	"	جہاد
(۱۱)	۱۶ جولائی "	" " "	"	یوم میلاد النبیؐ
(۱۲)	۱۸ جولائی "	۲۵۔بی۔ گلبرگ	"	جشنِ عید میلاد النبیؐ
(۱۳)	۲۵ جولائی "	" "	"	جشنِ قرآن العظیم
(۱۴)	۲۶ اکتوبر "	وائی۔ایم۔سی۔اے ہال	"	یوم انقلاب (توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری)
(۱۵)	۲۵ دسمبر "	" " "	"	یوم ولادت قائداعظم (ایک چراغ اور لاکھ اندھیرے)
(۱۶)	۱۶ جنوری ۱۹۶۶ء	۲۵۔بی۔ گلبرگ	"	ہم عید الفطر کیوں مناتے ہیں؟
(۱۷)	۲۳ جنوری "	" "	"	جشنِ نزولِ قرآن۔

علاوہ بریں بزم لاہور چھاؤنی کے زیر اہتمام میجر محمد یوسف ڈار صاحب کی قیام گاہ پر ۲۱ مارچ ۶۵ء کو "یوم پاکستان" اور ۱۸ اپریل کو "یوم اقبال" کی تقریبات بڑے باوقار طریق سے منائی گئیں جہاں پرویز صاحب نے ممتاز حضرات سے خطاب فرمایا۔ اور افواجِ پاکستان کے ممتاز مقامی افسران بھی اس سے بیحد مستفید ہوئے۔

یکم دسمبر ۱۹۶۵ء کو پاک جاپان فرینڈشپ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام جسٹس کارنیلیس، چیف جسٹس آف پاکستان کی صدارت میں وائی۔ایم۔سی۔اے ہال میں ایک یادگار پبلک اجتماع ہوا جسمیں پرویز صاحب نے ایک بصیرت افروز تقریر ارشاد فرمائی۔

اسی طرح ۸ دسمبر کو یونیورسٹی کے شعبہ پبلک ایڈمنسٹریشن کے زیر اہتمام انہوں نے اسلام اور کمیونزم کے موضوع پر پنجاب یونیورسٹی کیمپس میں یونیورسٹی کے طلباء اور پروفیسرز کے اہم اجتماع میں ایک اثر آفریں خطاب دیا۔

پرویز صاحب کے دورے

اپنی شدید مقامی مصروفیات کے باوجود پرویز صاحب نے بیرونِ لاہور سے آمدہ دعوتوں کو بھی شرف پذیرائی بخشا اور منٹگمری، ملتان اور راولپنڈی جیسے اہم مراکز کے دورے کئے۔

اس سلسلہ میں وہ گزشتہ ۲۹۔مارچ کو منٹگمری پہنچے اور وہاں دو دن طے شدہ پروگرام کے مطابق مقامی بار ایسوسی ایشن، روٹری کلب اور گرلز کالج کے علم افروز اجتماعات سے خطاب کیا۔ اور ٹاؤن ہال کی مجلسِ استفسارات میں بڑے اہم سوالات کے جواب سے قلب و نگاہ کو نئی روشنی عطا کی۔

۳۰۔اپریل اور یکم مئی کو دورۂ ملتان کے موقع پر انہوں نے ایک پبلک اجتماع سے اور اگلے روز بار ایسوسی ایشن کے ارکان سے خطاب کیا۔

۱۴۔۱۵۔۱۶ مئی کو ان کے دورۂ راولپنڈی کا پروگرام تھا۔ ۱۵۔مئی کو انہوں نے ریلوے انسٹی ٹیوٹ ہال کے جلسۂ عام سے خطاب کیا۔ اگلے روز گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کے ہال میں انہوں نے "ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں" کے موضوع پر ایک اثر انگیز خطاب دیا۔ اسی خطاب کے اختتام پر ایک بوڑھے بزرگ نے انتہائی جذب و شوق سے آگے بڑھ کر پرویز صاحب کا ہاتھ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اور طلوع اسلام کالج کے قیام کے لئے پہلا کمرہ بنوانے کے وعدہ کے ساتھ تعمیر شروع ہونے پر ایک لاکھ روپے کی پیش کش کی۔ اسی شام سی۔ٹی گرلز کالج میں "بنیادی حقوق انسانیت" کے موضوع پر انکی تقریر ہوئی یہ تقریر اسقدر دل افروز تھی کہ خاتمہ اجلاس پر شیدایان فکر قرآنی کی بہت بڑی تعداد ان سے مزید استفادہ کرنے کے لئے ان کی قیام گاہ پر پہنچ گئی۔ اور وہاں رات ڈھلے تک یہ پُرشوق مجلس جمی رہی۔

کوئٹہ سب کنونشن

۱۱، ۱۲، ۱۳ - جون کو کوئٹہ کنونشن کا انعقاد عمل میں آیا۔ محترم پرویز صاحب نے بھی نمائندگان بزمہائے طلوع اسلام کے اس اجتماع میں شرکت کی۔ نمائندگان نے اس موقع پر تحریک کی جدوجہد کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور کامیاب بنانے پر غور و خوض کیا اور گرینڈ ہوٹل میں محترم پرویز صاحب نے ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا۔ پریس کانفرنس اس قدر کامیاب تھی کہ سامعین نے تسلیم کیا کہ وہ مدت سے پرویز صاحب کیخلاف بہت کچھ سنتے آئے تھے۔ لیکن اس پریس کانفرنس نے ان کے شکوک و شبہات کا سارا گرد و غبار دھو ڈالا۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ اپنے پیغام کی وضاحت میں پرویز صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ ان کے اپنے اپنے دلوں کی آواز تھی۔

اسی شب ایک مجلس استفسارات کا بھی اہتمام تھا جس میں اہل علم و فکر طبقہ کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اور اپنے اہم سے اہم سوالات کے جوابات میں پرویز صاحب کی توضیحات سے مطمئن اور متأثر ہو کر واپس لوٹی۔ ۱۳ - جون کی صبح کو جہاد کے موضوع پر پرویز صاحب کا درس قرآن کریم تھا۔ اور اس یادگار درس کے ساتھ انہوں نے حاضرین کو اپنی بصیرت قرآنی سے ایک نئی روشنی عطا کی۔

لاہور میں پرویز صاحب کا درس قرآن کریم

۲۵ - بی گلبرگ میں ہر اتوار کی صبح کو پرویز صاحب کے درس قرآن کریم کا سلسلہ کامیابی سے جاری ہے۔ اس پاکیزہ مجلس میں لاہور اور بیرون لاہور سے فکر قرآنی کے شیدائی بھاری تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ درس میں قرآنی تعلیمات کے مختلف گوشوں سے نقاب اٹھتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم کی دعوت انقلاب اُبھر اور نکھر کر سب کے سامنے آتی ہے۔ قرآنی تعلیم کا یہ حقیقت کشا اور دل افروز سرمایہ بذریعہ ٹیپ محفوظ کیا جا رہا ہے اور اسے ریکارڈ کر کے اس کے ٹیپ ان بزموں کو باقاعدگی سے ارسال کر رہے ہیں۔ جو اپنے اپنے ہاں اس درس کو بذریعہ ٹیپ سنانے کا انتظام کر چکی ہیں۔ ان میں کراچی۔ لائلپور، راولپنڈی ملتان، کوئٹہ، لیہ، بوریوالہ، ڈھاکہ، مردان، پنڈ دادن خان اور بریڈ فورڈ (انگلستان) کی بزمیں شامل ہیں۔ اس طرح درس قرآن کریم کا یہ سلسلہ پاکستان اور بیرون پاکستان میں فکر قرآنی کی روشنی کو عام کرنے کا باعث ہے۔ اور فکر قرآن کی آواز ملک کے دور دراز گوشوں کے علاوہ بیرون پاکستان کے شیدایان فکر قرآنی تک پہنچ رہی ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ سابقہ کنونشن میں کراچی اور لاہور کی بزموں نے ان بزموں کے لئے جو خود ٹیپ ریکارڈر خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتیں، ادارہ کو دو ٹیپ ریکارڈر پیش کرنے کا ذمہ لیا تھا۔ ہر دو بزموں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے دو ٹیپ ریکارڈر ادارہ کو پیش کر دیئے ہیں۔ اس موقع پر ادارہ کے سامنے یہ مشکل آگئی کہ ادارہ کے ٹیپ ریکارڈر اس قدر پرانے ہو چکے تھے کہ ان پر ریکارڈنگ میں خرابی پیدا ہو جاتی تھی اور جہاں جہاں یہ ریکارڈ شدہ ٹیپ پہنچتے تھے وہاں سے آواز کی خرابی کی شکایات موصول ہوتی رہتی تھیں۔ اس لئے اب کیا یہ گیا ہے کہ کراچی اور لاہور کی بزموں کی طرف سے پیش کردہ ٹیپ ریکارڈر پرویز صاحب کے مرکزی درس کے لئے رکھ لئے گئے ہیں اور پہلے ٹیپ ریکارڈر ان بزموں کو دے دیئے جائینگے جو ان کی مستحق سمجھی جائیں گی۔ ان میں سے ایک ٹیپ ریکارڈر ابھی قابلِ مرمت ہے اور دوسرا ہر طرح استعمال کے قابل۔ اب اس کنونشن میں کراچی اور لاہور کی بزموں کے نمائندے مل کر یہ طے کرینگے، کہ مذکورہ ٹیپ ریکارڈر کس بزم کو دیا جائے۔

بزم کراچی

اس موقعہ پر میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ بزم کراچی کے احباب کو ان کے حسنِ عمل، جہدِ مسلسل اور سعیٔ پیہم پر جو تحریکِ قرآنی کے لئے باعثِ فخر اور موجب ستائش ہے، خراجِ تحسین پیش کروں۔ بزم کراچی کے نمائندہ محترم محمد اسلام صاحب اور ان کے صاحب عزم و شوق رفقاء نے سابقہ کنونشن کے بعد سے اب تک اپنی بھرپور مساعی سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تحریک کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے کس قدر منظم جدوجہد کی ضرورت ہے اور اس احساس کی سچی تڑپ دلوں میں لے کر کیسے معرکے سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔ ان احباب نے اپنی کارکردگی سے دیگر بزموں کے لئے ایک زریں مثال قائم کی ہے اور مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ اس بزم نے اپنے لئے ایک ماٹو طے کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ۔

> کام کرو۔ کام کرو جس نصب العینِ حیات کی صداقتوں پر ایمان لائے ہو، اس کے لئے سوتے جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے اور رکتے کام کرو۔ کیونکہ اس ایمان کا تقاضی یہی ہے اور اس کے بغیر منزل تک پہنچا نہیں جا سکتا۔

اس بزم کو انتہائی نامساعد اور ناخوشگوار صورتِ حال میں اپنی تنظیم جدید اور جدوجہد کا آغاز کرنا پڑا۔ لیکن ان احباب نے ثابت کر دیا کہ منزل پر صداقت کا یقین اور عزم و ہمت کے ولولوں میں کیونکر حالات کا رُخ بدلا جا سکتا ہے۔

بزم لاہور

بزم کراچی کے بعد بزمِ لاہور کی جدوجہد اور کارکردگی پر اظہار مسرت ادارہ طلوع اسلام

کے لئے ایک خوش گوار حقیقت کا اظہار ہے۔ اس بزم نے ادارہ کے قریب تر ہونے کی جہت سے گوناگوں اور بھاری فرائض اپنے ذمہ لے رکھے ہیں۔ پرویز صاحب کے درس قرآن کریم کا مستقل اور باضابطہ انتظام، شہر میں موقع بہ موقع ان کے خطابات کے لئے پبلک اجتماعات کی سرانجام دہی، سالانہ کنونشن کی تیاری اور نمائندگان کی میزبانی کا فریضہ، مرکزی منصوبوں کی تکمیل میں پرویز صاحب سے حسب ضرورت تعاون اور رفاقت، یہ سارا سلسلۂ کار معمولی نہیں بلکہ بڑے مالی ایثار، دوڑ دھوپ اور سعی مسلسل کا تقاضا کرتا ہے۔ ادارہ مطمئن اور مسرور ہے کہ مرزا محمد خلیل صاحب کی قیادت میں بزم لاہور کے احباب نے کسی مرحلے پر پرویز صاحب کو مایوس نہیں کیا۔ بلکہ ان کی امید سے بڑھ کر حسن کارکردگی کا ثبوت مہیا کیا۔ اور بزم کے احباب سے جس ایثار و قربانی کا بھی مطالبہ کیا گیا انہوں نے اُس پہ دل کھول کر لبیک کہا۔ لاہور کے پچھلے سال سوا سال کے پبلک اجتماعات کی تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے۔ یہ سب اجتماعات بزم لاہور کے زیر اہتمام تکمیل پاتے رہے اور ان انتظامات کے سلسلے میں بزم کے احباب نے جس فیاضی سے کام لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

نئی بزم

گزشتہ اپریل میں انگلستان کے ایک مرکزی شہر بریڈفورڈ میں نئی بزم کا قیام عمل میں آیا۔ اور محترم سعید احمد بٹ بزم مذکور کے نمائندہ مقرر ہوئے۔ یہ بزم بڑی جانفشانی اور سرگرمی سے انگلستان میں فکر قرآنی کی نشر و اشاعت کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ اس بزم کی طرف سے محترم ایم۔ دائی بٹ کے کنونشن میں بطور نمائندہ شریک ہونے کی اطلاع پچھلے ہفتے مل گئی تھی (اور وہ اب کنونشن میں شرکت فرما ہیں)

بزم بریڈفورڈ نے طلوع اسلام اور مطبوعات ادارہ کی ایجنسی بھی لے رکھی ہے اس نے انگلستان کے مستقل خریداروں کو ہر ماہ پرچہ پہنچانے کا کام بھی اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اور مطبوعات ادارہ اور لٹریچر کی اشاعت و تقسیم کا فریضہ بھی۔ پرویز صاحب کے درس قرآن کریم کا بذریعہ ٹیپ انتظام بھی بزم کی کارکردگی میں شامل ہے۔

یاد رفتگان

اس سال ادارہ کو بڑے گراں قدر احباب کی دائمی رفاقت کے صدمے بھی برداشت کرنے پڑے۔ یقیناً آپ کی نگاہیں اس کنونشن میں بزم پشاور کے نمائندہ مرزا علی احمد خاں مرحوم کے شگفتہ چہرے کو تلاش کر رہی ہوں گی اور آپ کے دل بڑی شدت سے یہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ محترم مرزا مرحوم کی رحلت کے سانحۂ جگر سوز نے ہم سے کیسا گرانمایہ رفیق سفر چھین لیا۔ یہ مرد خدا سالہا سال سے اپنی زندگی تحریک کے لئے وقف کئے ہوئے تھا۔

ہر کنونشن اور ہر اجتماع میں باقاعدگی سے شریک ہوتا تھا۔ تحریک اس کے لئے متاعِ حیات کا درجہ رکھتی تھی اور اس متاعِ عزیز کی خاطر اس نے زندگی کا ہر دوسرا قیمتی سے قیمتی رشتہ قربان کر ڈالا تھا۔ اس دور میں فکرِ قرآنی کے ایسے دیوانے مشکل سے ملیں گے۔ مرزا مرحوم تادمِ مرگ تحریکِ قرآنی کے لئے زندہ رہے اور اسی بیش بہا سامانِ سفر کے سہارے حیاتِ ابدی کا سفر اختیار کر لیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

گزشتہ ستمبر میں لاہور کے محاذ پر داد شجاعت دیتے ہوئے ہمارے ایک اور رفیق سفر جامِ شہادت نوش کرتے ہوئے ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ یہ بزمِ اسلام آباد کے نمائندے محترم محمد اسلم شہید تھے جن کا مسکراتا ہوا چہرہ اور ولولۂ شوق سابقہ کنونشن میں قدم قدم پر آپ کے سامنے رہا۔ اسلم شہید ریٹائرڈ فوجی تھے اور اعلان جہاد کی آواز سنتے ہی میدانِ جنگ میں پہنچ گئے تھے۔ میدانِ جہاد میں اس مردِ مجاہد نے اس خطہ پاک کے دفاع کا حق اپنے قیمتی خون سے ادا کر دیا جسے قرآنی نظام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے حاصل کیا گیا اور اس طرح جو سعادت ہمارے اس رفیق عزیز کے حصے میں آئی وہ ہم سب کے لئے باعثِ رشک ہے۔

والسلام

اعتذار

ادارہ بصد افسوس معذرت خواہ ہے کہ عدم گنجائش کے باعث اس شمارے میں طلوع اسلام کنونشن کے بڑے اہم مقالات، مجلس مذاکرہ، اور خود پرویز صاحب کے انقلاب آفریں خطابات (آرٹ اور اسلام، خدا کی مرضی) کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ یہ سب کچھ آئندہ اشاعتوں میں جستہ جستہ قارئین کے سامنے آتا رہیگا۔ بچوں کا صفحہ نہ جانے کا مزید افسوس ہے۔

ادارہ

ادارہ طلوعِ اسلام کی بصیرت افروز مطبوعات

(۱) **انسان نے کیا سوچا؟** افلاطون اعظم سے لیکر اب تک گزشتہ ساڑھے تین ہزار سالوں میں فکر انسانی کن مراحل میں بھٹکتی ہوئی کہاں سے کہاں پہنچی۔ مفکرین عالم کی ہزاروں کتابوں کا لب لباب ——— قیمت۔ بارہ روپے

(۲) **اسلام کیا ہے؟** اسلام کے درخشندہ حقائق کا حقیقت کشا مرقع۔ مفکر قرآن کی بصیرت قرآنی کا بصیرت آفریں شاہکار ——— قیمت — اعلیٰ ایڈیشن۔ آٹھ روپے ——— سستا ایڈیشن۔ چار روپے

(۳) **من و یزداں** خدا کیا ہے؟ اسے ماننا کیوں ضروری ہے؟ نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے اور ماننے سے کیا کچھ حاصل ہوتا ہے؟ ذہن انسانی میں ابھرتے ہوئے ان بنیادی سوالات کا جواب قرآن کریم کی روشنی میں — قیمت۔ دس روپے

(۴) **ابلیس و آدم** آدم، ملائکہ، وحی، ابلیس، شیطان، جن — ان سب کی حقیقت قرآن کریم کی رو سے کیا ہے! یہ حقائق اسی کتاب کے مطالعہ سے سامنے آسکتے ہیں ——— قیمت۔ آٹھ روپے

(۵) **سلیم کے نام خطوط** (تین جلدوں میں) ہماری نئی نسل کے ذہنوں کو کس قسم کے سوالات طلسم پیچ و تاب بنائے ہوئے ہیں۔ اور فکر قرآنی کس حسن انداز سے انہیں روشنی میں لاکر شادابیٔ قلب و نگاہ کا سامان پیدا کرتی ہے۔ اسے علیٰ وجہ البصیرت سمجھنے کے لئے ان کا مطالعہ ضروری ہے ——— قیمت۔ جلد اول۔ آٹھ روپے، جلد دوم و سوم۔ چھ روپے

(۶) **سلسبیل** پرویز صاحب کے علم افروز مقالات اور حقیقت کشا خطابات و نشریات کا مجموعہ ——— قیمت۔ آٹھ روپے

(۷) **بہارِ نو** انہیں مقالات اور خطابات کا دوسرا مجموعہ۔ ——— سستا ایڈیشن ——— قیمت ——— پانچ روپے

(۸) **اسبابِ زوالِ امت** عروج و اقبال کے مقامات بلند سے محروم ہو کر ہم زوال اور شکست کی موجودہ پستی تک کیوں پہنچے۔ اس اہم اور تاریخی سوال کا جواب قرآن کریم کی بارگاہِ عالی سے۔ ——— قیمت۔ ڈیڑھ روپیہ

(۹) **اسلامی معاشرت** روزمرہ کی زندگی کے اہم مسائل کی تفصیل قرآن تعلیمات کی روشنی میں ——— قیمت۔ دو روپے

اسی سلسلۂ بصیرت افروز کی مزید کڑیاں۔ مقام حدیث۔ چار روپے — برق طور۔ چھ روپے ——— شعلۂ مستور۔ چھ روپے۔

لغات القرآن جلد اول، دوم، سوم۔ پندرہ پندرہ روپے میں — جلد چہارم۔ بارہ روپے ——— مکمل سیٹ۔ پچاس روپے

فجر الاسلام۔ آٹھ روپے ——— الفتنۃ الکبریٰ۔ چھ روپے

شائع کردہ

ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵ بی گلبرگ لاہور

بِاسْمِہٖ تَعَالٰی

اوروں کا ہے پیام اور

میرا پیام

اور ہے

عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

پروفیسر صاحب کی تقریر

جس سے انہوں نے طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۶۶ء سے خطاب کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرا پیام

مئے من از تنک جاماں نگہدار، شراب ریختہ از خاماں نگہدار
شرر از نیستانے دور تر بہ، بخاصاں بخش و از عاماں نگہدار

برادرانِ عزیز! ـــــ السلام علیکم۔

جیسا کہ آپ احباب کو معلوم ہے، میں گزشتہ پینتیس برس سے مسلسل قوم کے نام ایک پیغام دیئے چلا آرہا ہوں۔ جوں جوں اس پیغامِ حیات آور کے اثرات فضا کی پہنائیوں میں پھیلتے اور دلوں کی گہرائیوں میں اترتے جا رہے ہیں، مفاد پرست طبقات کی طرف سے اس کی مخالفت بڑھتی جا رہی ہے چونکہ مخالفین کے پاس اس پیغام کی تردید کے لئے نہ کوئی سند ہے نہ دلیل، اس لئے وہ کرتے یہ ہیں کہ پہلے اسے نہایت غلط انداز سے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر ان غلط بنیادوں پر اپنی مخالفت کی عمارت استوار کرتے چلے جاتے ہیں ـــــ یہ منکرِ خدا ہے۔ یہ منکرِ رسالت ہے۔ یہ ایک نیا مذہب پیش کر رہا ہے۔ یہ تین نمازیں اور نو دن کے روزے بتاتا ہے۔ یہ اردو زبان میں نماز پڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ کسی دن نبوت کا دعوےٰ کرے گا ـــــ یہ، اور اس قسم کے اور بیسیوں الزامات نت نئے دن تراشے اور میری طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ چونکہ میرا پیغام، طلوع اسلام کے ہزارہا صفحات، اور میری تصانیف کے بیشمار اوراق، میں بکھرا پڑا ہے۔ اور ہر شخص سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی، کہ وہ طلوع اسلام کی فائلوں اور میری کتابوں کی اوراق گردانی کرکے، اس پیغام کو اس کی حقیقی شکل میں اپنے سامنے لے آئے، اس لئے میں نے ضروری سمجھا ہے کہ اسے مختصر الفاظ میں یک جا بیان کر دیا جائے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا کہتا ہوں، اور کیا چاہتا ہوں

اور قدامت پرست طبقہ کی طرف سے میرے خلاف جو الزامات عاید کئے جاتے ہیں۔ ان کی اصل و حقیقت کیا ہے

جو کچھ میں کہتا ہوں، اس کی تفصیل کتنی ہی طول و طویل کیوں نہ ہو، اس کا نقطۂ ماسکہ یہ ہے کہ

(۱) اسلام، خدا کی طرف سے دیا ہوا، آخری اور مکمل دین، یعنی نظامِ حیات ہے۔

(۲) اس دین کو نبی اکرمؐ نے عملاً متشکل کر کے، دنیا کو دکھا دیا کہ اس زمین پر خدا کی حکومت کا تختِ اجلال کس طرح بچھتا ہے۔ اور اس کے نتائج نوعِ انسان کے لئے کس قدر انسانیت ساز خوش گواریوں اور سرفرازیوں کے حامل ہوتے ہیں۔

(۳) بعد کے آنے والے مسلمانوں نے اس نظام کو آگے نہ چلایا۔ اور ہم خدا کی راہ کو چھوڑ کر، انسانوں کے تراشیدہ غلط راستوں پر پڑ گئے جس کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۴) میری دعوت یہ ہے کہ ہم، ان غلط راستوں کو چھوڑ کر، پھر اُسی نظام کو متشکل کر لیں۔ اس کے لئے بنیادی طور پر کرنے کا کام یہ ہے کہ اس نظام کے ضابطۂ حیات، یعنے قرآن کریم، کو زندگی کے ہر معاملہ میں غلط اور صحیح، اور حق و باطل کا معیار قرار دیا جائے۔ جو کچھ اسکے مطابق ہو اُسے صحیح تسلیم کیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اُسے مسترد کر دیا جائے۔

آپ کہیں گے کہ اس میں کون سی ایسی بات ہے جو خلافِ اسلام ہے، اور جس کی مخالفت میں اسقدر طوفان برپا کیا جا رہا ہے۔ اِس میں خلافِ اسلام تو کوئی بات نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآنی نظام میں مفاد پرست گروہوں کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اس میں کسی فرعون، ہامان یا قارون کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی ـــــ اس لئے ان گروہوں کی طرف سے اس دعوت کی مخالفت ناگزیر ہے۔ لیکن ان لوگوں میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ برملا یہ کہہ سکیں کہ ہم اس کی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے ہمارے مفادات پر زد پڑتی ہے۔ اس لئے یہ "اسلام خطرے میں ہے" کی گھنٹی بجا کر عوام کو مشتعل کرتے رہتے ہیں اور یوں انہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے آلۂ کار بناتے ہیں۔ ہماری پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جونہی کسی نے ان کی مفاد پرستی اور ابلہ فریبی کے خلاف آواز بلند کی، انہوں نے کفر و الحاد کے فتوے لگانے شروع کر دیئے۔ یہی کچھ پہلے ہوتا رہا ہے اور یہی کچھ آج ہو رہا ہے۔ ملک کے سنجیدہ، دانشور طبقہ سے میری شروع سے یہ گزارش رہی ہے۔ اور آج میں پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں آپ اسے خود قرآن کریم کی روشنی میں پرکھ کر دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ وہ اسلام کے خلاف ہے یا اس کے مطابق۔

اب آپ دیکھئے کہ میرے پیغام کی تفصیل کیا ہے۔

میں ہنوز قرآن کریم کو غور و فکر کے ساتھ سمجھنے کے ابتدائی مراحل میں سے گزر رہا تھا کہ ۱۹۳۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) کے تفسیری ترجمہ — ترجمان القرآن — کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ اس میں انہوں نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے سلسلہ میں اپنے اس نظریہ کی تبلیغ بڑی صراحت سے کی تھی کہ عالمگیر سچائیاں دنیا کے ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس لئے تمام مذاہب سچے ہیں۔ لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی ازسرِنو اختیار کر لیں تو

مولانا آزاد کی تفسیر

میرا کام پورا ہو گیا — یہ فراموش کردہ سچائی کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ کی میراث نہیں کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔

میری بصیرتِ قرآنی کے مطابق، یہ نظریہ، اسلام کو اس کی جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہ برہمو سماج کی تعلیم تو ہو سکتی ہے قرآن کی نہیں۔ اس لئے میں نے اس کی تردید میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا، جو ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) کی جنوری ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اس میں میں نے کہا تھا کہ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کے رسول، دنیا کی ہر قوم کی طرف آئے تھے۔ اور وہ اصولی طور پر ایک ہی دین لائے تھے۔ لیکن وہ تعلیم اب دنیا کی کسی قوم کے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں۔ وہ صرف قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اس لئے اب خدا کی طرف سے سچا دین وہی ہے جو اس کتاب کے اندر ہے۔ اب انسانوں کو نجات و سعادت کے لئے رسالتِ محمدیہؐ پر ایمان لانا، اور قرآن کریم کی طرف سے پیش کردہ دین کو خدا کا واحد سچا دین تسلیم کرنا ضروری ہے۔ جو اس دین کو اپنا نصب العینِ حیات قرار نہیں دیتا۔ نہ اس کی خدا پرستی، خدا پرستی ہے۔ نہ نیک عملی درحقیقت نیک عملی۔

مولانا آزاد کی شہرت اس زمانے میں تا بہ ثریا پہنچی ہوئی تھی۔ وہ قلم اور زبان کے بادشاہ، اور علم کے سمندر سمجھے جاتے تھے۔ علماء کی صف میں وہ امام الہند قرار دیئے جاتے تھے۔ ان کی پیش کردہ تفسیر کی مخالفت، اور وہ بھی ایک "غیر مولوی" کی طرف سے، کسی کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ اس لئے ابتداءً ہر طرف سے میری مخالفت ہوئی لیکن رفتہ رفتہ جب ہنگامہ خیزی کے بادل چھٹے تو، اور تو اور خود مولانا آزاد کے حلقۂ ارادت کے بعض نامور افراد تک نے بھی میری گزارشات کو درخورِ غور و فکر سمجھا، اور مولانا آزاد کے پیش کردہ تصور کو غلط قرار دے دیا۔

دین اور مذہب

جب میں نے مولانا آزاد کے پیش کردہ نظریہ کی لِم پر غور کیا — جو بظاہر بڑا خوش آئند اور مذہبی رواداری کا آئینہ دار نظر آتا ہے — تو اس کی یہ وجہ سامنے

آئی۔ کہ اسلام، جو خدا کی طرف سے عطا کردہ دین ہے، مذہب کی سطح پر آچکا ہے اور مذہب کی سطح پر مختلف مذاہب میں واقعی کوئی فرق نہیں رہتا — دین، زندگی کا عملی نظام ہے اور نظام ایک ہی سچا ہو سکتا ہے۔ اس نظام میں خدا پرستی سے مقصود ہوتا ہے، خدا کے قوانین کو دنیا میں عملاً نافذ کرنا۔ اور نیک عملی کے معنے ہوتے ہیں ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا — اس کے برعکس مذہب نام ہوتا ہے خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا جو ہر قسم کے نظام میں قائم کیا اور باقی رکھا جا سکتا ہے۔ یہ تعلق، انسان کے اپنے ذہنی تصور سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس میں خدا پرستی سے اتنا ہی مقصود ہوتا ہے — باقی رہی نیک عملی، سو وہ چند اخلاقی مواعظ کا نام ہوتی ہے جو دنیا میں قریب قریب ہر جگہ یکساں پائے جاتے ہیں۔ جھوٹ نہ بولو، چوری نہ کرو، کسی کو ستاؤ نہیں وغیرہ وغیرہ — حضرات انبیاء کرامؑ خدا کی طرف سے دین لائے لیکن، ان کے بعد، ان کے پیرو، اس دین کو مسخ کر کے، مذہب کی سطح پر لے آئے۔ دنیا کے مذاہب، خدا کی طرف سے دئے ہوئے دین کی مسخ شدہ صورتیں ہیں۔ یہ دین، اپنی آخری اور مکمل شکل میں، نبی اکرمؐ کی وساطت سے دنیا کو ملا۔ حضورؐ نے اسے عملاً متشکل کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ اس کے نتائج عالم انسانیت کے لئے کس قدر خوش گوار ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد، اس دین کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو اس سے پہلے دیگر اقوام کے یہاں ہوا تھا۔ اس کے نام لیواؤں نے رفتہ رفتہ اسے بھی مذہب کی شکل میں تبدیل کر دیا جس کی وجہ سے یہ چند بے جان عقائد اور چند بے روح رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔ اسی مذہب کا نام اب اسلام ہے۔ لیکن ہم میں اور دیگر اہل مذاہب میں فرق یہ ہے کہ اُن میں سے کسی کے پاس خدا کی کتاب، جس میں دین دیا گیا تھا، اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں۔ اور ہمارے پاس قرآن کریم غیر محرف شکل میں محفوظ ہے۔ لہٰذا۔ اگر وہ لوگ چاہیں بھی کہ وہ اپنے مذہب کو پھر سے دین میں تبدیل کر لیں تو ان کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں لیکن ہمارے لئے یہ ممکن ہے۔ ہم قرآن کریم کی رُو سے، خدا کے حقیقی دین کو پھر سے متشکل کر سکتے ہیں۔

بُنیادی نُقطہ

میری دعوت کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہم اپنے موجودہ مذہب کی جگہ، خدا کی طرف سے عطا کردہ دین کو دوبارہ قائم کریں تاکہ، سب سے پہلے، ہمارے اپنے معاشرہ کا وہی نقشہ ہو جائے جو عہد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (رضؓ) میں تھا۔ اور اس کے بعد، ہم اس کے انسانیت ساز نتائج کو سامنے لا کر، اس دین (نظامِ زندگی) کو باقی دنیا میں بھی عام کریں۔

ختمِ نبوّت

قرآنِ کریم کو دین کا مکمل ضابطہ ماننے، اور اس کے اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہنے کا فطری اور لازمی نتیجہ، ختمِ نبوت کا عقیدہ ہے۔ نبوت کے معنی ہیں خدا کی طرف سے راہ نمائی پانا۔ یہی راہ نمائی دین کا ضابطہ کہلاتی ہے ظاہر ہے کہ جب دین کا ضابطہ ـــ جو کسی خاص زمانہ اور خاص مقام کے لئے نہیں، بلکہ عالمگیر انسانیت کے لئے ابدی ضابطۂ حیات ہے ـــ ہر طرح سے مکمل ہو گیا۔ اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا، جو ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے ہے، تو پھر نبوت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ ابدی، عالمگیر، مکمل اور محفوظ راہ نمائی کے بعد، خدا کی طرف سے کچھ اور دیئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش کرنے کے بعد لازمی طور پر اگلی کڑی یعنی ختمِ نبوت کی حقیقت اور اہمیت کو واضح اور اجاگر کرنا تھا۔ اور یہ میری دعوت کا دوسرا نقطہ تھا۔ اُس زمانے میں ریاست بہاول پور کی ایک عدالت میں، احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان ایک مقدمہ چل رہا تھا جس نے ملک میں خاصی شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ اس سلسلہ میں بحث کا نقطۂ ماسکہ، ختمِ نبوت کا سوال تھا۔ مقدمہ کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ بالآخر جج نے اپنا فیصلہ سنایا، اور اس میں، ختمِ نبوت سے متعلق میرے ایک مقالہ کا حوالہ دیتے ہوئے، اس نے لکھا کہ مقدمہ کے سلسلہ میں اس مسئلہ کو جس قدر سلجھانے کی کوشش کی جاتی تھی یہ اسی قدر الجھتا چلا جاتا تھا، تا آنکہ (محولہ بالا) مقالہ میری نظر سے گزرا۔ اور اس نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا کہ اس بارے میں میرے دل میں کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ ختمِ نبوت واقعی اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ میں نے اس مقالہ میں، اس موضوع پر خالص قرآنی نقطۂ نگاہ سے بحث کی تھی جس کے بعد، اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

میں نے جب اس مسئلہ پر قرآن کریم کی روشنی میں غور کیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ ہم بابِ نبوت کے بند کرنے کے عقیدہ کے تو اس شد و مد سے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی، ہم ان عقائد اور نظریات پر بھی اسی شدت سے قائم ہیں جو اس دروازے کو نہایت آسانی سے کھول دیتے ہیں بلکہ یوں کہیئے کہ بند ہونے ہی نہیں دیتے۔ یہ بات ذرا غور سے سمجھنے کی ہے۔

جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے، نبوت کے معنے ہیں خدا کی طرف سے وحی کا ملنا۔ وحی وہ علم ہے جو نبی کو خدا کی طرف سے براہ راست ملتا ہے۔ وحی کے علاوہ، ہر علم، انسان کی اپنی محنت و کاوش، غور و فکر، عقل و بصیرت، تجربہ و مشاہدہ وغیرہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن وحی میں ان امور کا کوئی دخل

نہیں ہوتا۔ یہ، نبی کو خدا کی طرف سے، براہ راست ملتی ہے۔ ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کسی انسان کو اب خدا کی طرف سے ایسا علم نہیں مل سکتا۔ یہ علم، قرآنِ کریم کے اندر آچکا ہے۔ اس کے بعد اس کا دروازہ بند ہوگیا۔ اب انسانی علم کے ذرائع دو ہی ہیں ــــ قرآن کریم اور عقلِ انسانی۔

کشف و الہام

لیکن ہمارے ہاں عقیدہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کو خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہوتا ہے جس میں ان کی اپنی عقل و فراست کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ آپ نے دیکھا کہ حقیقت کے اعتبار سے یہ بعینہٖ وہی چیز ہے جسے وحی کہا جاتا ہے لیکن انہوں نے اس کا صرف نام بدل دیا ہے۔ یہ اسے وحی کی بجائے الہام یا کشف کہتے ہیں۔ لیکن نام بدل دینے سے کسی شے کی حقیقت اور ماہیت تو نہیں بدل جاتی۔ خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل ہونے کا نام وحی رکھ لیجئے یا الہام، بات ایک ہی ہے۔ اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، قیاس پر مبنی نہیں۔ ان حضرات کا دعوےٰ یہی ہے۔ چنانچہ سرخیلِ طائفہ صوفیاء، شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی اپنی مشہور کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں:۔

> جس مقام سے نبی لیتے تھے اُسی مقام سے انسانِ کامل، صاحب الزمان، غوث قطب لیتے ہیں ..... ارباب شریعت تو وہ ہیں جو قرآن و حدیث سے حکم دیتے ہیں ..... مگر اس کے برعکس ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس چیز کو اپنے کشف و الہام کے ذریعے خود اللہ تعالےٰ سے لیتے ہیں ..... پس ایک طور پر مادۂ کشف و الہام اور مادۂ وحیِ رسول ایک ہے۔ صاحبِ کشف اللہ تعالےٰ سے لینے کے طریقے سے واقف ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین سے موافق ہے ..... ان کا اللہ تعالےٰ سے لینا عین رسول اللہ کا لینا ہے ..... خدا تعالےٰ ایسے لوگوں کو وہی احکام شرعیہ اور علوم دیتا ہے جو خاص کر کے انبیاء کو دیئے گئے تھے۔

آپ نے غور فرمایا، برادرانِ عزیز! ــ کہ اس عقیدہ کے بعد، وحیٔ رسول اور ان حضرات کے الہام اور کشف میں کوئی بھی فرق رہ جاتا ہے؟ یہ عقیدہ، تصوف کی اصل و بنیاد ہے۔ صوفیہ کے مختلف خانوادوں میں، فروعات کا جو فرق ہو سو ہو، لیکن یہ بنیادی عقیدہ ہر ایک کے ہاں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا، تصوف، اسلام میں اس مہر کو توڑنے کے لئے لایا گیا تھا جس نے نبوت کے دروازے کو بند کیا تھا۔ یہ مذہب کی سطح پر ہی مسلمانوں میں آسکتا تھا۔ دین میں اس قسم

تصوّف

کے عقاید کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

وحدت الوجود

(دو ایک خانوادوں کو چھوڑ کر) تصوف کا دوسرا بنیادی عقیدہ **وَحدتُ الوُجُود** ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے یہ مانا جاتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے ــــ انسان، حیوان، درخت، پہاڑ وغیرہ ــــ یہ سب خدا ہی ہے جس نے مختلف رُوپ دھار رکھے ہیں۔ اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ وہ ہے جسے ابن عربی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے (جنہیں میں ہزار ہزار توبہ کے بعد نقل کرنے کی جرأت کرتا ہوں) فصوص الحکم میں لکھا ہے۔

اس (فرعون) کو ایک طرح سے حق تھا کہ کہے ــــ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ــــ کیونکہ فرعون ذاتِ حق سے جدا نہ تھا اگرچہ اس کی صورت فرعون کی تھی۔

اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ تو اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ، معاذ اللہ، صد ہزار بار معاذ اللہ)

در مذہبِ عاشقان یک رنگ
ابلیس و ......[1] است یک سنگ	(حدیقۂ سنائی)

رومی کہتا ہے :۔

می گفت در بیاباں رندِ دھن دریدہ !
صوفی خدا ندارد، اُو نیست آفریدہ

ان کے نزدیک لا الٰہ الا اللہ کے معنے یہ ہیں کہ دنیا میں جس جس چیز کو لوگوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ سب خدا ہی ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں عقیدہ یہ ہے کہ :۔

کفر و دین است در رہت پویاں
وحدہٗ لاشریک لہٗ گویاں

اور پنجابی زبان میں تو آپ نے اس قسم کی کافیاں اکثر سنی ہونگی کہ :۔

آپے دھیاں، تے آپے پتّر، آپے بنیا ماپے
آپے مارے، تے آپے پٹّے، آپے کرے سیاپے!

یعنی ــــــــــــــ

[1] یہاں حضور نبی اکرم کا اسم گرامی لکھا ہے۔ (استغفر اللہ)

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ خود رند و سبوکش
خود بر سرِ آں کوزۂ خریدار برآمد، بشکست و رواں شد

یہ حضرات جو ہمارے ہاں بڑے بڑے صوفیائے کرام اور ولی اللہ کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا یہی عقیدہ تھا (اور اب بھی وہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں)

اسی عقیدہ کی ذرا سی بدلی ہوئی شکل یہ ہے کہ انسانی روح، خدا کی روح کا ایک حصہ ہے۔ یہ روح مادہ کی دلدل میں پھنس چکی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اس روح کو مادہ کی دلدل سے نکال دے، تاکہ یہ جزو اپنی اصل (روح خداوندی) کے ساتھ جا کر مل جائے۔ روح کی اسی جدائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا رومؒ اپنی مشہور مثنوی کا آغاز اس طرح کرتے ہیں کہ

بشنو از نے چوں حکایت مے کند
از جدائیہا شکایت مے کند

اور غالبؔ تگ و تازِ زندگی کا منتہیٰ یہ بتاتا ہے کہ

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دنیا سے نفرت کرے، خانقاہیت کی زندگی اختیار کرے۔ جوں جوں انسان اس طریقِ خانقاہیت میں پختہ ہو جائے گا، خدا کا مقرب بنتا جائے گا۔ افراد، اور اقوام کی تقدیر اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ وہ اپنی زندگی میں ہی نہیں، مرنے کے بعد بھی لوگوں کی قسمت کے فیصلے کرے گا۔

اس عقیدہ نے یونان میں جنم لیا۔ ایران کے آتشکدوں میں اُسے پختگی حاصل ہوئی ہندوستان میں آکر اس نے ویدانت کے طلسماتی فلسفہ کی شکل اختیار کی اور پھر مسلمانوں میں عینِ دین ہی نہیں بلکہ مغزِ دین بن گیا۔ چنانچہ مولانا رومؒ لکھتے ہیں کہ :-

ما ز قرآں مغز را برداشتیم
استخواں پیشِ سگاں انداختیم!

یہ ہے وہ تصوف، جسے عین اسلام ہی نہیں، بلکہ مغزِ اسلام کہا جاتا ہے۔ اور یہ ساری دنیا کے مسلمانوں میں عام ہے اور ہر ایک کے ذہن پر مستولی۔ حتےٰ کہ مسلمانوں کے وہ فرقے جو اپنے آپ کو متشدد طور پر بدعت کے خلاف اور متبعِ سنتِ رسول اللہ کہتے ہیں، وہ بھی کشف و الہام کے قائل اور کرامات کے معتقد ہیں۔ بیعت لیتے ہیں اور ورد و وظائف کی تعلیم دیتے ہیں۔ قرآنی

آیات کے تعویذ لکھتے ہیں اور پانی دم کرکر کے مریدوں کو پلاتے ہیں۔

میرا پیغام یہ ہے۔ کہ جب تک ہم میں تصوف باقی ہے، ہم دین کی سطح پر نہیں آسکتے۔ تصوف کا نام تک نہ قرآن کریم میں ملتا ہے، نہ ہمارے ابتدائی لٹریچر میں کسی اور جگہ۔ یہ، اقبال کے الفاظ میں، اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے۔

مامورین من اللہ

ختم نبوت کا عملی مفہوم یہ تھا کہ اب کوئی شخص یہ دعوے نہیں کرسکے گا کہ میں مامور من اللہ ہوں۔ یعنے مجھے خدا نے ایک خاص مقصد کے پورا کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ خدا کی طرف سے مامور، حضرات انبیاء کرام ہوتے تھے۔ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا، تو مامورین من اللہ کی آمد بھی بند ہوگئی۔

لیکن جب اسلام، دین کی سطح سے گر کر مذہب کی سطح پر آگیا، تو ہم میں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ مامور من اللہ وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے۔ ان میں سے، مجددین کے متعلق یہ عقیدہ قائم کرلیا گیا کہ وہ ہر سو سال کے بعد آیا کریں گے۔ ان کے علاوہ، قیامت کے قریب، امام مہدی تشریف لائیں گے اور آسمان سے حضرت عیسےٰؑ نازل ہوں گے۔ دین میں ان عقاید کی بھی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم میں ان آنے والوں کا کوئی ذکر نہیں۔ مامورین من اللہ کا عقیدہ بھی ختم نبوت کے منافی اور دین کی نقیض ہے۔ اور یہی میری پکار ہے۔ نبی اکرمؐ کے بعد، اب نہ کوئی نبی آسکتا ہے، نہ کسی اور نام سے کوئی مامور من اللہ۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ

بمصطفےٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نرسیدی تمام بولہبی است

نبوت حضورؐ پر ختم ہوگئی اور دین قرآن میں مکمل ہوگیا۔ اللہ بس۔ باقی ہوس!

مذہبی فرقہ بندی

خدا کی طرف سے جو دین ملا، وہ ایک تھا۔ اس دین کی بنیادوں پر، نبی اکرمؐ نے جو امت تیار کی

وہ امتِ واحدہ تھی۔ اس امت کا ایک خدا، ایک رسول، ایک ضابطۂ زندگی، ایک نصب العین حیات، ایک مسلک اور ایک منہاج تھا۔ ان میں کوئی اختلاف نہ تھا، کوئی تفرقہ نہ تھا۔ اختلاف کو خدا نے عذاب قرار دیا ہے۔ اور فرقہ بندی کو بہ نصِ صریح شرک بتایا ہے (۳۰ : ۳۱) اس لئے اس امّت میں باہمی اختلاف کیسے پیدا ہو سکتا، اور فرقے کیسے وجود میں آسکتے تھے؟

لیکن جب دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا تو امت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ اس میں سینکڑوں اختلافات نمودار ہو گئے — اور ان اختلافات کو رحمت کہہ کر پکارا گیا — ان میں متعدد فرقے پیدا ہوتے چلے گئے جن میں سے ہر ایک کا یہ دعوےٰ تھا (اور ہے) کہ میں نجات یافتہ ہوں اور باقی سب گمراہ، فلہٰذا جہنمی ہیں۔

لیکن سوال کسی ایک فرقے اور دوسرے فرقے کا نہیں۔ دین میں سرے سے فرقوں کا وجود ہی نہیں سکتا۔ فرقے، مذہب میں باقی رہ سکتے ہیں دین میں نہیں۔ اس لئے جب قرآن کریم کا نظام قائم ہو گا تو اُس میں صرف امتِ مسلمہ ہو گی۔ اس امت میں فرقہ کوئی نہیں ہو گا۔

یہی میری دعوت ہے۔ میں بار بار اعلان کرتا رہتا ہوں کہ میرا تعلق کسی مذہبی فرقے سے نہیں۔ اور نہ ہی میں نے کوئی نیا فرقہ بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص فرقہ بندی کو (قرآن کریم کی نصِ صریح کے مطابق) شرک سمجھتا ہو، وہ خود کوئی فرقہ کیسے بنا سکتا ہے؟

دین اور دنیا کی ثنویت

دین اس لئے دیا گیا تھا کہ انسان اپنے دنیاوی امور، قوانینِ خداوندی کے مطابق، سرانجام دے۔ یا، اقبالؔ کے الفاظ میں، انسان دنیا کا ہر تالہ دین کی چابی سے کھولے۔ اس تعلیم کی رُو سے، دین اور دنیا اور مذہب اور سیاست میں ثنویت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب دین، مذہب میں بدل جاتا ہے تو اس میں مذہبی امور اور دنیاوی امور، دو الگ الگ شعبوں میں بٹ جاتے ہیں۔ دنیاوی امور، اربابِ سیاست کے سپرد ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں مذہب سے تعلق نہیں رہتا۔ امور مذہبی، مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں آجاتے ہیں۔ اور امورِ دنیا سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ دونوں کے دوائر الگ الگ اور متمیز ہو جاتے ہیں۔ اس تصور کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت دو الگ الگ شعبے ہو جاتے ہیں۔ "دنیا داروں" کا آخرت میں کم حصہ قرار

دیا جاتا ہے اور آخرت سنوارنے والے، دنیاوی مفاد سے محروم رہتے ہیں۔ یہ تصور قرآن کریم کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت، دونوں کا وجود مذہب کا پیدا کردہ ہے۔ دین میں نہ ملوکیت ہوتی ہے اور نہ مذہبی پیشوائیت — ملوکیت سے مراد وراثتی بادشاہت ہی نہیں۔ اس سے مقصد ہر وہ اندازِ حکومت ہے جس میں خدا کا قانون — جو اس کی کتاب کے اندر محفوظ ہے — نافذ نہ ہو۔ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کا خاتمہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہاں پھر سے دین کا نظام قائم ہو۔

نظامِ سرمایہ داری

دین کے نظام کی غرض اور غایت یہ ہے کہ کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا محکوم ہو نہ محتاج، اس نظام کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کرے۔ اور ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں کی نمود اور اپنی ذات کی نشوونما کے لئے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ یہ نظام، اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو نہیں سکتا جب تک رزق کے وسائل (یعنے ذرائع پیداوار) پر اس کا کنٹرول نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جب ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت میں رہنے کے بجائے، نظامِ خداوندی کی تحویل میں رہیں گے، تو معاشرہ میں سرمایہ داری کا تصور تک پیدا نہ ہوگا۔ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کی طرح، دین اور سرمایہ داری، ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن جب دین، مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے ساتھ، نظامِ سرمایہ داری بھی عین مطابق شریعت قرار پا جاتا ہے۔ اس شریعت کی رُو سے انبار در انبار دولت جمع کرنا، زمین کے لامحدود رقبوں کو ذاتی ملکیت میں لے لینا۔ بے حد و نہایت جائیدادیں کھڑی کرتے جانا سب جائز ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں سے خدا کے نام پر کچھ پیسے الگ کر دیئے جائیں۔ اور ثواب حاصل کرنے کے لئے انہیں خیرات کے طور پر غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیا جائے۔ اس کے بعد خلقِ خدا پر کیا گزرتی ہے، اس سے ان دولت مندوں کو، از روئے شریعت کوئی واسطہ نہیں رہتا۔

اس قسم کا تصورِ معیشت، قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اس کی رُو سے، معاشرہ کے ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا، اور اس کی صلاحیتوں کی نشوونما اور ذات کی برومندی کے لئے سامانِ پرورش بہم پہنچانا — دین کے نظام کی اولین ذمہ داری ہے۔ یہ اس نظام کا کام

ہے۔ کہ دیکھے کہ ذرائع پیداوار کا انتظام کس طرح کیا جائے۔ جس سے وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے۔

قوم کے سامنے قرآن کریم کے اس تصور کا عام کرنا تاکہ وہ اس قسم کا معاشی نظام قائم کرے۔ میری دعوت کا مقصود ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کریم کے نظامِ ربوبیت اور کمیونزم میں بُعد المشرقین ہے جس فلسفۂ حیات پر کمیونزم کا معاشی نظام استوار ہوتا ہے۔ وہ فلسفۂ اسلام کے فلسفۂ زندگی کی یکسر نقیض ہے۔ اُس فلسفہ کی رُو سے نہ خُدا کو مانا جاتا ہے نہ وحی کو۔ نہ انسانی ذات کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے نہ مستقل اقدارِ زندگی کو۔ نہ قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان ہوتا ہے نہ حیاتِ آخرت پر۔ یہ وجہ ہے کہ میں اس حقیقت کا بہ تکرار و اصرار اعلان کرتا رہتا ہوں کہ کمیونزم کے فلسفۂ حیات کو ماننے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ بھی میری دعوت کی اسی طرح مخالفت کرتے ہیں جس طرح نظامِ سرمایہ داری کے حامل اور مؤید۔ قرآن کا معاشی نظام اس کے اپنے فلسفۂ حیات کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور یہ کسی دوسرے فلسفۂ حیات سے مفاہمت نہیں کر سکتا۔

عقل و بصیرت

دین اپنے ہر دعوے کو قرآنی سند کے ساتھ پیش کرتا اور علم و بصیرت کی بنا پر منواتا ہے۔ وہ قرآن کریم کی مستقل اقدار کی روشنی میں، عقلِ انسانی سے کام لینے کو مومنین کا شیوہ قرار دیتا ہے وہ مومنوں کی خصوصیت یہ بتاتا ہے۔ کہ وہ "اور تو اور" آیاتِ خداوندی کے سامنے بھی اندھے اور بہرے بن کر نہیں جھکتے۔ (۲۵/۷۳)۔ وہ انہیں عقل و بصیرت کی رُو سے مانتے ہیں۔ قرآن کی رُو سے ایمان نام ہی، وحی کی صداقتوں پر، دل اور دماغ کے کامل اطمینان کے بعد، یقین کرنے کا ہے۔

لیکن جب دین مذہب کی سطح پر آجاتا ہے تو وہ سب سے پہلے علم و عقل کو دیس نکالا دے دیتا ہے۔ اس لئے کہ مذہب پنپتا ہی تاریکیوں میں ہے۔ اس کے پاس نہ اپنے کسی دعوے کی تائید میں، قرآن کی سند ہوتی ہے نہ عملی اور عقلی دلائل۔ "جو کچھ ہوتا چلا آرہا ہے"۔ اس پر آنکھیں بند کر کے چلتے جانا، اس کے نزدیک صراطِ مستقیم پر چلنے کا نام ہے۔ جو کچھ ہم سے پہلے کسی انسان نے کہہ دیا، اس پر کسی قسم کی تنقید کرنا، یا اسے قرآن کریم کی روشنی میں پرکھنا، انتہائی گستاخی،

اور الحاد و بے دینی ہے۔ اگر آپ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں، یا کسی اور مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے ہیں، تو اس کے بعد کسی ایسے عقیدہ کے خلاف جو متوارث چلا آ رہا ہے، کسی خیال کا اظہار آپ کو مرتد بنا دے گا جس کی سزا موت ہے۔

میری قرآنی بصیرت کے مطابق، اس قسم کے تصورات، اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اور میری دعوت ان کے خلاف صدائے احتجاج ہے۔ اسلام روشنی ہے تاریکی نہیں۔ قرآن کریم، نوعِ انسان کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کے لئے دیا گیا تھا۔ وحی کی روشنی میں، عقلِ انسانی سے کام لینا۔ دین کا بنیادی تقاضا ہے۔

عورت کی پوزیشن

قرآن کریم کی رُو سے، ہر انسان، انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے۔ اور عورت بھی اُسی قسم کی انسان ہے جس قسم کا انسان مرد ہے۔ انسان ہونے کی جہت سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ افزائش نسل کے سلسلہ میں اُس فطری وظیفہ کے علاوہ جو عورت سے مخصوص ہے، مرد اور عورت کی صلاحیتوں میں کوئی فرق نہیں۔ عورت زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کی رفیق ہے اور ان کی باہمی رفاقت سے، زندگی کی گاڑی آگے چلتی ہے۔

لیکن مذہب نے ہمیشہ عورت کو مرد کا غلام بنا رکھا ہے۔ وہ اسے مقامِ انسانیت دینے پر کسی صورت میں رضامند نہیں ہوتا۔ اس کے لئے اس نے ایک عقیدہ وضع کیا کہ خدا نے پیدا تو آدم (مرد) ہی کو کیا تھا، لیکن جب وہ تنہائی کی وجہ سے اداس رہنے لگا۔ تو اس کی پسلی سے عورت کو نکالا تاکہ اس سے اس کا دل بہل جائے۔ گویا فطرت کے تخلیقی پروگرام میں مقصود بالذات مرد تھا۔ عورت محض مرد کا دل بہلانے کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ لیکن عورت نے شیطان کے فریب میں آ کر مرد کو بہکایا اور اسطرح اس بے گناہ کو جنت سے نکلوا دیا۔

اب ضروری ہے کہ عورت اپنے اس جرم کی سزا بھگتے۔ اور یہ سزا وہ مرد کے ہاتھوں بھگتتی ہے۔ ہم نے ان خیالات کو اسرائیلیات سے لیا۔ اور انہیں عین اسلامی بنا کر، اپنے عقاید میں داخل کر لیا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے

چونکہ یہ عقاید قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہیں، اس لئے میں ان کے خلاف مسلسل آواز اٹھاتا

رہتا ہوں ــــ میرا پیغام، عورت اور مرد دونوں کے لئے یکساں مقام انسانیت کا پیغام ــــ ہے۔

یہ عقیدہ کہ عورت، مرد کے دل بہلانے کے لئے پیدا کی گئی ہے، اس قدر عام کیا گیا۔ کہ خود عورت نے بھی یہی سمجھ لیا کہ اس کا مقصدِ زندگی، مرد کے لئے جاذبِ توجہ بننا ہے۔

اس عقیدہ کا نتیجہ ہے کہ عورت، ہر وقت اپنی نمود و نمائش کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتی ہے۔ قرآن کریم نے جو عورت کو زینت و زیبائش کی نمود سے منع کیا ہے تو اس سے وہ عورت کو اس کے صحیح مقامِ انسانیت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ تیرا مقصدِ زندگی، مرد کا کھلونا بننا نہیں، شرفِ انسانیت کا بلند مقام حاصل کرنا ہے۔

میں عورت تک خدا کا یہ پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں دنیا میں قرآن کے اس تصور کو عام کرنا چاہتا ہوں کہ ہم جب عورت اور مرد کے متعلق گفتگو کریں۔ تو دو انسانوں کی حیثیت سے گفتگو کریں۔ یہ دونوں انسان ہیں اور انسانیت کی میزان میں ان کا وزن یکساں ہے۔

تحریکِ پاکستان

آپ نے غور کیا ہوگا، برادرانِ عزیز! کہ ہمارے ہاں عقیدہ و عمل کی تمام خرابیوں کی علت العلل یہ ہے کہ اسلام جو ایک دین تھا، مذہب میں بدل چکا ہے۔ لہٰذا ان خرابیوں کا علاج صرف ایک ہے کہ اسے مذہب کے مقام سے اٹھا کر پھر سے اُس دین میں تبدیل کر دیا جائے جسے خدا نے نوعِ انسانی کے لئے (قرآن کریم میں) عطا کیا تھا۔ اور جسے اس کے رسول (صلعم) نے عملاً متشکل کر کے دکھایا تھا۔

اِس کا طریق سوال یہ ہے کہ اس مذہب کو دین میں بدلنے کا طریقہ کیا ہے۔ میں یہ پہلے بتا چکا ہوں کہ دین ایک نظامِ حیات ہے جس میں، خدا کے احکام کو بطور قوانین نافذ کیا جاتا اور ان کے مطابق زندگی بسر کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی حکم یا اصول کو بطورِ قانون اسی صورت میں نافذ کیا جا سکتا ہے کہ ان اصولوں کے ماننے والوں کی اپنی آزاد مملکت ہو۔ دوسروں کی مملکت میں مذہب تو باقی رہ سکتا ہے، دین نہ قائم ہو سکتا ہے، نہ باقی رہ سکتا ہے۔ چنانچہ جب غیر منقسم ہندوستان میں، مسلمانوں کے لئے الگ آزاد مملکت کے حصول و قیام کی تحریک شروع ہوئی ــــ جسے تحریکِ مسلم لیگ یا تحریکِ پاکستان کہا جاتا ہے ــــ تو طلوعِ اسلام جاری ہوا۔ اور اس نے قرآنی خطوط پر اس تحریک کا پورے شد و مد سے ساتھ دیا۔ جو حضرات اس تحریک کی تاریخ سے واقف ہیں۔ وہ

جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت کی طرف سے اس تحریک کی سخت مخالفت ہوئی۔ بجز چند افراد کے، علماء کا گروہ، مجموعی طور پر اس کا مخالف تھا۔ اس گروہ کے سرخیل مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ (مرحومین) جیسے اکابر مفتیانِ شرعِ مبین تھے۔ تحریکِ پاکستان اور ان حضرات کی طرف سے اس کی مخالفت، درحقیقت دین اور مذہب کی کشمکش تھی۔ (اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ میں نے اس تذکرہ کی ابتداء مولانا آزاد (مرحوم) سے کیوں کی ہے؟) یہ حضرات اسلام کو ایک مذہب سمجھتے تھے۔ دین کا تصور اُن کے ذہن میں نہیں تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں — کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ — اور یہ پانچوں کے پانچوں ہر اس مملکت میں ادا کئے جا سکتے ہیں جو ان کی ادائیگی پر پابندی عاید نہ کرے — اور آزاد ہندوستان میں ان کی ادائیگی کی مسلمانوں کو کامل آزادی ہوگی۔ اس لئے یہ کہنا کہ اسلام پر کاربند ہونے کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت ہے، اپنے "سیاسی مقاصد" کے لئے خواہ مخواہ اسلام کو درمیان میں گھسیٹ لانا ہے۔ ان کے مقابلہ میں 'طلوعِ اسلام' اسلام کو بہ حیثیت دین (نظامِ زندگی) پیش کرتا اور قرآن کریم کی واضح تعلیم کی روشنی میں اس حقیقت کو نمایاں کرتا تھا کہ ایک آزاد خطۂ زمین، اسلام کے احیاء کے لئے اولین شرط ہے۔ اسی کشمکش میں یہ حقیقت بھی سامنے آئی، کہ مذہب 'اصطلاحات' تو وہی استعمال کرتا ہے جنہیں دین متعین کرتا ہے۔ لیکن ان اصطلاحات کا مفہوم اور تصور بدل دیتا ہے — کلمہ، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، امام، جماعت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ثواب، عذاب، اطاعت و معصیت، خدا و رسول وغیرہ اصطلاحات دین نے استعمال کی تھیں۔ یہ اصطلاحات اُس نظام کے مختلف گوشوں کو سامنے لاتی تھیں۔ اور عملاً بتاتی تھیں کہ ان میں سے ایک ایک جزو کس طرح دین کی عمارت کے لئے لاینفک ہے۔ مذہب نے انہی اصطلاحات کو اپنے ہاں منتقل کر لیا۔ لیکن ان کا مفہوم اور تصوّر بدل دیا۔ یہ سب سے بڑا مغالطہ ہے جو مذہب، اپنے برسرِ حق ہونے کے لئے پیدا کرتا ہے۔ یہ وہ ٹکنیک تھی جسے متحدہ ہندوستان کی تحریک کے حامی، نیشنلسٹ علماء استعمال کرتے تھے۔ اور اس سے عوام بڑی آسانی سے فریب میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ اس سے اس امر کی اہمیت اجاگر ہو کر میرے سامنے آئی کہ

دین کی اصطلاحات

جب تک ان اصطلاحاتِ دینیہ کا صحیح تصور (قرآن کریم کی روشنی میں) متعین کر کے سامنے نہ لایا جائے، دین کی بات سمجھ میں نہیں آسکتی چونکہ اس کی حیثیت بنیادی تھی، اس لئے اس فریضہ کو میں نے خاص طور پر اپنے ذمہ لیا۔ اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ اس کی ادائیگی میں صرف کیا (اور اب تک کر رہا ہوں) اس سلسلہ میں میری متفرق

کوششوں کے علاوہ، لغات القرآن بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں میں نے کوشش کی ہے۔ کہ قرآن کریم کے پیش کردہ تمام تصورات کا صحیح مفہوم متعین کرکے سامنے لایا جائے۔ یہ کتاب، قرآنی الفاظ کے معانی ہی نہیں دیتی، دین کے تصورات کا صحیح مفہوم بھی متعین کرتی ہے۔

میری پیش کردہ قرآنی فکر کے سمجھنے کے لئے اس بنیادی نکتہ کا سمجھ لینا ازبس ضروری ہے۔ یعنی اس نکتہ کا کہ ہمارے ہاں الفاظ اور اصطلاحات تو قرآن ہی کی رائج ہیں لیکن ان کا مفہوم بالکل بدل چکا ہے۔ دین کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان اصطلاحات کا صحیح (قرآنی) مفہوم سامنے آئے۔

اسلامی نظامِ مملکت

پاکستان بننے سے ایک آزاد خطۂ زمین حاصل ہوگیا۔ تو اس میں صحیح اسلامی نظام قائم کرنے کا سوال سامنے آیا۔ اس لئے کہ خطۂ زمین کا حصول مقصود بالذات نہیں تھا۔ یہ ایک بلند و بالا مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ لہٰذا اصل کام خطۂ زمین کے ملنے کے بعد شروع ہوا۔ اور یہ منزل بڑی کٹھن تھی۔ اب دین اور مذہب میں جنگ، اپنی انتہائی شدت کے ساتھ سامنے آئی تھی۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، دین کے نظام سے مفہوم یہ ہے کہ زندگی، قوانینِ خداوندی کے مطابق بسر کی جائے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں بنیادی سوال یہ تھا کہ وہ قوانین کون سے ہیں جن کے نافذ کرنے کا ذریعہ اسلامی حکومت ہے۔ اس سوال کا جواب (بظاہر) بڑا آسان اور واضح ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا کے قوانین سے مراد، اس کی کتاب میں دیئے ہوئے احکام و قوانین ہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کتاب کا انداز یہ ہے کہ اس میں کچھ احکام متعین طور پر دیئے ہوئے ہیں۔ لیکن دیگر امور کے متعلق صرف اصول اور حدود دیئے گئے ہیں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں، جزئی احکام، وہ امت خود متعین کرے جو دین کو بہ حیثیت نظام قائم اور متشکل کرنے کا ذمہ لے۔ قرآن کریم کے متعین کردہ قوانین ہوں یا اصول، یہ سب ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا حق کسی فرد یا جماعت حتیٰ کہ ساری امت کو بھی نہیں ہوگا — لیکن ان اصولوں کی روشنی میں مرتب کردہ احکام، حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں گے۔ ان میں اس قسم کی تبدیلی اسلامی مملکت کرے گی۔ جسے اصطلاح میں خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کہا جاتا ہے۔

خلافت علیٰ منہاج نبوّت

اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "خلافت علیٰ منہاج نبوت" کی تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے۔ نبی اکرمؐ نے دین کو ایک نظام کی شکل میں قائم کر کے دکھایا۔ اسے قرآنی مملکت کہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظام رسولؐ اللہ کی ذات تک محدود نہ تھا۔ اس نظام کو آگے بھی چلنا تھا۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد، یہی نظام حضورؐ کے سچے جانشینوں کے ہاتھوں آگے چلا۔ رسول اللہ کے بعد اُس دور کو جس میں یہ قرآنی نظام قائم رہا، خلافت علیٰ منہاجِ نبوت، کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح نبوت حضورؐ کی ذات پر ختم ہو گئی، اسی طرح یہ خلافت، خلفائے راشدینؓ کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اس کا دوبارہ قیام ممکن نہیں۔

یہ تصور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ خلافت علیٰ منہاج نبوت نام ہے قرآن کریم کے مطابق نظامِ حکومت قائم کرنے کا۔ چونکہ قرآن کریم ہمارے پاس ہر وقت موجود ہے، اس لئے اس کے مطابق نظام ہر زمانے میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کا جو سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، اُسے دوبارہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ جو مملکت بھی قرآن کے مطابق نظام قائم کرے گی اسے خلافت علیٰ منہاج نبوت کہا جائے گا۔ اس حکومت کو یہ حق حاصل ہو گا کہ قرآنی اصولوں کے جو جزئی قوانین، کسی سابقہ دور میں مرتب ہوتے رہے تھے۔ ان کا جائزہ لے، ان میں سے جو قوانین زمانے کی ضرورتوں کو پورا کریں، انہیں علیٰ حالہٖ رہنے دے۔ جن میں کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہو ان میں مناسب ترمیم و تنسیخ کر دے۔ جہاں نئے قوانین کی ضرورت ہو وہاں نئے قوانین مرتب اور نافذ کرے۔ اسی کو اجتہاد کہا جاتا ہے جس کا عمل ہمیشہ جاری رہے گا۔ لیکن (اسے پھر دہرا دیا جائے کہ) اس طرح قانون سازی کا حق یعنے حق اجتہاد صرف خلافت علیٰ منہاج نبوت (یعنے قرآنی حکومت) کو ہو گا کسی فرد یا افراد کی کسی جماعت کو نہیں ہو گا۔ لیکن جب تک ایسی حکومت قائم نہ ہو۔ اُس وقت تک اس کے سوا چارہ نہیں کہ قرآن کریم کے اصولوں کی روشنی میں جو جزئیات کسی زمانے میں متعین ہوئی تھیں اور جن پر امت کے مختلف فرقے کاربند چلے آ رہے ہیں ان پر اسی طرح عمل ہوتا رہے کسی فرد یا گروہ کا یہ سمجھ لینا کہ اسے ان جزئیات میں تغیر و تبدل کا، یا نئی جزئیات مرتب کرنے کا حق حاصل ہے، امت میں انتشار پیدا کرنے کا موجب ہے جس کی میں شدت سے مخالفت کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں فرقہ اہل قرآن یا ایسے افراد کا بھی مخالف ہوں جو کبھی تین نمازوں اور لوگوں کے روزوں کا پرچار کرتے ہیں اور کبھی اردو زبان میں نماز پڑھنے کی اختراع کرتے ہیں۔ البتہ ہمارے مروّجہ عقاید اور عمل میں جو بات مجھے قرآن کریم کی تعلیم

کے خلاف نظر آتی ہے۔ میں اس کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں اور ایسا کرتا رہتا ہوں۔

یہ ہے قرآنی اصولوں کی روشنی میں جزئی احکام مرتب کرنے کا وہ طریقہ جسے میں قرآن اور سیرت نبی اکرمؐ کے مطالعہ سے صحیح سمجھتا ہوں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ خلافتِ راشدہ میں قانون سازی کا یہی اصول تھا — حضرت عمرؓ نے کئی ایسے فیصلوں میں تبدیلی کی جو ان سے پہلے عہد حضرت ابوبکرؓ اور زمانہ نبی اکرمؐ میں نفاذ پذیر ہوئے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات (کے چھٹے خطبہ) میں بڑی وضاحت سے بتایا ہے کہ امام اعظم (ابوحنیفہؒ) اور شاہ ولی اللہؒ کا یہی مسلک تھا۔ ہمارے زمانے کے اکثر علماء (مثلاً مولانا عبیداللہ سندھیؒ) نے اس کی تائید کی ہے۔ خود میری مخالفت کرنے والوں میں ایسے حضرات موجود ہیں۔ جو اسی خیال کے مؤید ہیں۔ لیکن ہمارے عام قدامت پرست طبقہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام پہلے سے مرتب ہو چکے ہیں۔ اور اسلامی حکومت کا فریضہ صرف ان احکام کو نافذ کرنا ہے۔ وہ ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کر سکتی۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ احکام کتب احادیث میں مجتمع ہیں اور دوسرے گروہ کے نزدیک ائمہ فقہ کی کتابوں کے اندر۔ تغیر و تبدل نہ اُن میں ہو سکتا ہے نہ ان میں۔ ان میں سے بعض نے اب اتنا کہنا شروع کر دیا ہے کہ جن امور کے متعلق کتب احادیث یا فقہ میں کوئی حکم نہ ملے، ان کے متعلق نئے احکام مرتب کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان احکام کی ترتیب و تدوین علمائے کرام کریں گے حکومت نہیں۔ حکومت اگر کوئی قانون بنانا چاہے تو جب تک اُسے علماء کی طرف سے سند حاصل نہ ہو جائے اسے نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ اس بات کو ان الفاظ میں نہیں کہتے۔ اس مطالبہ کو وہ بھی بڑی شد و مد سے پیش کرتے ہیں کہ پرسنل لاز (نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ سے متعلق احکام) بالضرور علماء کی تحویل میں رہنے چاہئیں۔ حکومت کو ان میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں — چنانچہ عائلی قوانین (فیملی لاز) کی مخالفت اسی نظریہ کے ماتحت کی جا رہی ہے۔

جماعت اسلامی

اگرچہ ان نظریات و مطالبات میں سے ہر نظریہ و مطالبہ خلافت علیٰ منہاج نبوت میں طریق قانون سازی کے اصول کے خلاف ہے جس میں مذہبی پیشواؤں کا کوئی الگ گروہ ہوتا ہی نہیں تھا — یہ گروہ اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب دین، مذہب اور سیاست کے دو الگ الگ گوشوں میں بٹ گیا تھا۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ قابل اعتراض بلکہ خطرناک موقف جماعت اسلامی کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

کا ہے۔ باقی گروہوں میں اتنی بات مسلم اور واضح ہے کہ احکام شریعت پہلے سے موجود ہیں اور ان احکام کی فہرست یہ ہے۔ ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ سنتِ رسولؐ اور ائمہ فقہ، دونوں کے متبعین کا یہی مسلک ہے۔ لیکن مودودی صاحب کا مسلک یہ ہے کہ

(۱) حکومت کو از خود قانون سازی کا حق حاصل نہیں۔

(۲) پاکستان میں جملہ قوانین کتاب و سنت کے مطابق ہونے چاہئیں۔

(۳) سنت کا تعین یا جن احادیث سے سنت متعین کی جائیگی ان کے صحیح اور ضعیف قرار دینے کا کام از سرِ نو کیا جائے گا۔ اس کے لئے کوئی خارجی اصول یا معیار نہیں ہوگا۔ مزاج شناس رسول کی نگہ بصیرت غلط اور صحیح کا معیار ہوگی۔ حتےٰ کہ جن امور میں کوئی حکم پہلے سے موجود نہیں اس کے متعلق بھی وہی کہہ سکے گا کہ ایسے مقام پر رسول اللہؐ کیا حکم دیتے۔ اس لئے اس کے حکم کو رسولؐ اللہ کا حکم سمجھا جائے گا۔

(۴) اور جماعتِ اسلامی کے اکابرین کے بیانات کے مطابق یہ مزاج شناس رسولؐ خود مودودی صاحب ہیں۔

اس سلسلہ میں خود مودودی صاحب کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔ احادیث کے متعلق وہ اپنی کتاب رسائل و مسائل میں لکھتے ہیں :-

> اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہؐ کی طرف منسوب ہو، اس کی نسبت کا صحیح اور معتبر ہونا خود زیر بحث ہوتا ہے۔ آپ (یعنی فریقِ مقابل) کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیثِ رسولؐ مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ (صفحہ ۲۹)

سنت کی صحت اگر دلیل نہیں تو پھر حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا معیار کیا ہے۔ اسکے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ اس کا فیصلہ وہی کر سکتا ہے۔

> جس نے حدیث کے ذخیرے کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسولؐ اللہ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے ...... اس مقام پر پہنچکر وہ اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا ...... وہ ایک

حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ رسول اللہ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں۔ آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں ...... یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن و سنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلعم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا۔ تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ (تفہیمات۔ حصہ اول صفحہ ۳۰۲ و صفحہ ۳۲۴۔ شائع شدہ محرم ۱۳۵۹ھ)

یعنی پہلے یہ "مزاج شناسِ رسول" تمام سابقہ معیاروں کو بالائے طاق رکھ کر اپنی نگہِ بصیرت سے اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ احادیث کے مجموعوں میں سے کون کون سی حدیث قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کی نگاہ اس کا بھی فیصلہ کرے گی کہ ان احادیث میں سے کن احادیث سے مرتب کردہ سنت کو فی الواقع سنتِ رسول اللہ کہا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ان کا ارشاد ہے۔

سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بہ حیثیت ایک انسان ہونے کے، یا بہ حیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا اختیار کئے ...... بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضور کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرزِ معاشرت اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کا سنت بنانا مقصود نہیں تھا ...... (اسی طرح) جو امور آپ نے عادۃً کئے ہیں، انہیں سنت بنا دینا، اور تمام دنیا کے انسانوں سے مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کر لیں، اللہ اور اس کے رسول کا ہرگز منشاء نہیں تھا۔ یہ دین میں تحریف[1] ہے۔

(رسائل و مسائل صفحہ ۳۰ و صفحہ ۳۰۵ و صفحہ ۳۱ و صفحہ ۳۱۴ و صفحہ ۳۱۸)

اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ جس سنت کو ملک کا قانون قرار دیا جائے گا۔ اس کا تعین یکسر مزاج شناسِ رسول کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ یہ تھیا کریسی کی کس قدر آمرانہ، اور مستبدانہ شکل ہو گئی جس میں تمام قوانین ایک شخص کے فیصلوں کے مطابق وضع ہوں گے اور ان قوانین کا اتباع "خدا اور رسول کے فیصلوں" کی حیثیت سے کرایا جائے گا۔ جن کی خلاف ورزی دنیا اور آخرت

---

[1] واضح رہے کہ حدیث کی کتابوں میں یہ نہیں لکھا ہوتا کہ فلاں فلاں امور حضور نے بہ حیثیت ایک انسان ہونے سرانجام دیئے تھے یا وہ حضور کے شخصی مزاج کے مطابق اختیار کردہ تھے۔ یا ان امور کو حضور نے عادۃً اختیار کیا تھا۔ یہ تمیز و تفریق بھی مزاج شناسِ رسول ہی کرے گا۔

میں سخت ترین سزا کی مستوجب، اور جن سے انکار، ارتداد ہوگا جس کی سزا موت ہے۔ حتےٰ کہ وہ اپنی کتاب (مرتد کی سزا) میں یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ پاکستان میں جب نظامِ شریعت قائم ہوگا تو یہاں کے مسلمانوں کو ایک سال کا نوٹس دیا جائے گا کہ وہ اپنے عقائد و مسالک اس اسلام کے مطابق کرلیں جسے یہ صحیح اسلام قرار دیں۔ جو لوگ ایسا نہیں کریں گے انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

آپ نے غور کیا ہوگا کہ مودودی صاحب وہی پوزیشن اختیار کرنا چاہتے ہیں جو عیسائیت میں کلیسا یعنی چرچ نے اختیار کر رکھی تھی اور جس کی رُو سے ہر معاملہ کا آخری فیصلہ پادریوں کے ہاتھ میں تھا۔ چرچ اینڈ اسٹیٹ (کلیسا اور حکومت) کی اس کشمکش نے کیا قیامت برپا کی تھی، اس پر یورپ کی تاریخ کے خونی اوراق شاہد ہیں۔ صدیوں کی مسلسل تباہیوں کے بعد وہاں مفاہمت کی شکل یوں پیدا کی گئی کہ حکومت سیکولر ہوگی اور مذہب کا کام چرچ تک محدود رہے گا۔ یعنی مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے قرار پا گئے۔ جماعت اسلامی اس بدنصیب ملک کو اس مقام پر لے جانا چاہتی ہے جہاں سے یورپ میں چرچ اور اسٹیٹ کی یہ کشمکش شروع ہوئی تھی۔ اگر یہ جماعت تقویت پکڑ گئی تو خطرہ ہے کہ جو کچھ یورپ میں ہوا تھا وہی کچھ یہاں ہو کر رہے گا۔ میں اسے اسلام اور پاکستان دونوں کے لئے تباہی کا موجب سمجھتا ہوں۔ میری کوشش یہ ہے کہ کسی طرح ملک کو ان تباہیوں سے بچا لیا جائے۔

آپ نے غور فرمایا، برادرانِ عزیز! کہ قانون سازی کے سلسلہ میں یہاں مذہب اور دین کی کشمکش کس شدت سے جاری ہے۔ میری پکار یہ ہے کہ قانون سازی کے لئے وہی طریق اختیار کیا جائے جسے خود قرآن کریم نے تجویز کیا ہے اور جسے میں پہلے بیان کر چکا ہوں، یعنی جن احکام و قوانین کو قرآن کریم نے متعین شکل میں دے دیا ہے انہیں اسی طرح نافذ کیا جائے اور جن امور کو اس نے اصولی حیثیت سے بیان کیا ہے ان کی جزئیات، ان اصولوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے، اسلامی حکومت، امت کے باہمی مشورہ سے متعین کرے ایسا کرنے سے ان جزئیات کو بھی جو پہلے کبھی متعین ہوئی تھیں، یقیناً پیشِ نظر رکھا جائیگا وہ قانون سازی کے سلسلہ میں نظائر کا کام دیں گی۔

حضورؐ کی سیرتِ طیبہ

احادیث کے سلسلہ میں ایک بات اور بھی قابلِ ذکر ہے۔ قرآن کریم نے نبی اکرمؐ کی بلندیٔ سیرت اور پاکیزگیٔ کردار کو نوعِ انسان کے لئے بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) قرار دیا ہے۔ اس نے حضورؐ کی سیرت کے

نمایاں خط وخال کو اپنے دامن میں محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن جزئی واقعات، کتبِ احادیث و تاریخ (سیر) میں پائے جاتے ہیں۔ ان کتابوں میں غلط اور صحیح ہر قسم کی باتیں آگئی ہیں جس کی وجہ سے ان میں ایسے ایسے واقعات بھی ملتے ہیں۔ جن سے حضورؐ کی سیرت (معاذ اللہ) داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔

اسی طرح قرآن کریم نے جماعت صحابہؓ کی بڑی تعریف کی ہے اور مہاجرین و انصار کے متعلق تو بالتخصیص کہا ہے کہ وہ مومنِ حقا رہے اور سچے مومن تھے لیکن ہماری کتبِ تاریخ میں ان کے متعلق بھی ایسے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ان پر بڑا طعن پڑتا ہے۔

میری دعوت یہ ہے کہ ان کتبِ احادیث و تواریخ پر اس انداز سے نظرِ ثانی کی جائے۔ کہ ان میں سے تمام قابلِ اعتراض مواد خارج کر دیا جائے۔ تاکہ حضورؐ کی سیرت اور صحابہؓ کی زندگی اپنی صحیح اور پاکیزہ شکل میں دنیا کے سامنے آئے۔ لیکن یہ کام بھی اسلامی حکومت کے کرنے کا ہے۔ اگر اسے انفرادی طور پر کیا جائے گا تو افراد کا تعصب یا عقیدت صحیح منزل تک پہنچنے کے راستے میں حائل ہو جائے گی۔

لیکن ہماری مذہبی پیشوائیت ان کتابوں کو — جو انسانوں ہی کی مرتب کردہ ہیں — وحیٔ آسمانی کی طرح تنقید سے بالا قرار دیتی ہے۔ وہ اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی کہ رسول اللہؐ کی سیرتِ طیبہ کا کوئی گوشہ (معاذ اللہ) داغدار ہو جائے، یا صحابہ کبارؓ کی زندگی قابلِ اعتراض شکل میں سامنے آئے لیکن وہ اسے نہیں برداشت کر سکتی کہ ان کتابوں کے مصنفین یا مؤلفین کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ ان سے کوئی غلطی یا سہو ہوا ہے۔ دیکھئے! اسلاف پرستی انسان کو کہاں تک لے جاتی ہے؛ لیکن مذہب کی تو بنیاد ہی اسلاف پرستی پر ہے۔

اسلامی مملکت سے مقصود کیا ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، مذہب کی رُو سے دنیا اور آخرت میں ثنویت ہوتی ہے۔ اور ایک مذہب پرست انسان کی تمام تگ و تاز کا ماحصل اور سعی و کاوش کا منتہیٰ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کی عاقبت سنور جائے۔ اسے اس سے غرض نہیں ہوتی کہ اس کی اس دنیا کی زندگی کس قسم کی گزر رہی ہے بلکہ ان کے نزدیک، خدا کے مقرب بندوں کی نشانی یہ ہے کہ ان کی اس دنیا کی زندگی نہایت عسرت اور افلاس میں گزرے — جو یہاں جس قدر ذلیل ہوگا وہ وہاں اسی قدر واجب التکریم ہوگا۔ ان کے نزدیک، اسلامی

مملکت سے مقصد اتنا ہی ہے کہ وہ چور کے ہاتھ کاٹ دے۔ زانی کو سنگسار کر دے شرابی کے کوڑے لگائے، زکوٰۃ کا روپیہ اکٹھا کر کے، مذہبی تعلیم اور تبلیغ کے کاموں پر صرف کرے۔ حج کے لئے سہولتیں بہم پہنچائے۔ وقس علیٰ ذالک۔

لیکن قرآن کریم کی رُو سے اسلامی مملکت کے قیام کا منتہیٰ کچھ اور ہے۔ اس میں شبہ نہیں، کہ اس میں قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دی جائیں گی اور احکام اسلامی کی پابندی ضروری ہوگی۔ لیکن یہ تمام امور ذریعہ ہوں گے ایک بلند و بالا مقصد کے حصول کا — اور وہ مقصد یہ ہے، کہ یہاں ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں خدا کی عطا کردہ مستقل اقدار اس طرح جاری و ساری ہوں جس طرح فضا میں صاف اور خوشگوار ہوا رواں دواں رہتی ہے۔ کہ ہر متنفّس اس سے بلا کاوش و مشقت سامانِ زیست حاصل کرتا رہتا ہے۔ ان اقدار کے مطابق معاشرہ کے متشکل ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جنت کی جن نعمتوں اور آسائشوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس دنیا میں ہر فردِ معاشرہ کو از خود ملتی چلی جاتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی ذات کی نشو و نما اس طرح ہوتی رہتی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی جنتِ آخروی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ جس معاشرہ میں خدا کی مستقل اقدار جاری و ساری نہ ہوں، اس میں افراد معاشرہ کی یہ زندگی بھی جہنم کی زندگی ہوتی ہے، اور مرنے کے بعد بھی وہ جہنم ہی میں رہتے ہیں۔ اسلامی مملکت کا مقصد افراد معاشرہ کو اس دنیا اور اگلی دنیا، دونوں میں، جنت کی زندگی عطا کرنا ہے۔ لہٰذا، اس بات کے پرکھنے کا معیار کہ جو حکومت کسی جگہ قائم ہے وہ اسلامی ہے یا نہیں، یہ ہے کہ اس میں، افرادِ مملکت کو وہ سامان زیست میسر ہے یا نہیں جسے نعمائے جنت کہہ کر پکارا گیا ہے اور انہیں اپنی ذات کی نشو و نما کے مواقع حاصل ہیں یا نہیں اور یہ دیکھنے کیلئے کہ ہمیں آخرت میں جنت ملے گی یا نہیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہماری یہاں کی زندگی جنت کی زندگی کے مشابہ ہے یا نہیں — اور اگر سر دست ہماری زندگی ایسی نہیں تو ہم اُس زندگی کے حصول کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں یا نہیں — یاد رکھیئے! قرآن کریم کی رُو سے، ایمان اور اعمال صالح کا لازمی نتیجہ، اس دنیا اور آخرت، دونوں میں جنت کی زندگی ہے۔ اس کے برعکس اس کا فیصلہ یہ ہے کہ۔

مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى - (۱۷/۷۲)

جو یہاں کا اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہی ہوگا۔ دنیا، آخرت کی کھیتی ہی نہیں بلکہ وہ آخرت کے پرکھنے کی کسوٹی بھی ہے۔

معاشرتی خرابیاں

ہمارے ہاں حالت یہ ہے کہ جہاں دو آدمی ملیں گے، وہ معاشرتی خرابیوں کا رونا روئیں گے ــــ بلکہ اب تو حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ روتے روتے آنسو ہی خشک ہو گئے ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ (غالب کے الفاظ میں) ــــــ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں ــــــ یہ خرابیاں اس قدر عام، اور معاشرہ کا معروف چلن بن گئیں ہیں۔ کہ ان پر رونے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ البتہ ان پر بطور فیشن، منبر اور اسٹیج دونوں سے آنسو ضرور بہائے جاتے ہیں۔ منبر سے یہ آواز عادۃً صبح و شام دھرائی جاتی ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو چھوڑ دیا اس لئے ان میں یہ خرابیاں عام ہو رہی ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں بتایا جاتا کہ مسلمانوں نے کیا چھوڑا ہے جس کا فطری نتیجہ یہ خرابیاں ہیں، اور وہ کیا کریں جس سے یہ خرابیاں فی الواقعہ دور ہو جائیں۔

یہی کیفیت اسٹیج کی ہے۔ وہ وزیر ہو یا امیر، صنعت کار ہو یا زمیندار، مستقل لیڈر ہو یا ہنگامی مقرر ــ کوئی تقریب ہو یا کسی قسم کا اجتماع ــــ تان یہاں ٹوٹے گی کہ مسلمانو! تم اپنی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھال لو۔ تمہارے سارے کام سنور جائیں گے۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتائے گا کہ وہ سانچہ ہے کیا جس میں ڈھلنے سے یہ خرابیاں رفع ہو جائیں گی۔

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ یہ خرابیاں غلط نظامِ زندگی کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ (یا یوں کہیئے کہ وہ غلط نظام کا فطری نتیجہ ہوتی ہیں) اور افراد بالعموم اُن سے ملوث ہوتے ہیں۔ جب تک وہ نظام نہیں بدلا جاتا، معاشرہ کی خرابیاں دور نہیں ہو سکتیں ... ... نہ ہی ان خرابیوں کی یہ صورت ہے کہ کسی ایک شعبہ کو لے کر اس کی خرابیوں کی اصلاح شروع کر دی جائے۔ اس سے اصلاح کبھی نہیں ہو سکتی۔ جہنم سارے کا سارا جہنم ہوتا ہے۔ اس کے کسی ایک گوشے کو آپ جنت میں بدل نہیں سکتے۔ چیچک کا علاج الگ الگ آبلوں پر مرہم لگانے سے نہیں ہو سکتا۔ پورے جسم کے خون کو زہریلے جراثیم سے پاک کرنے سے ہوتا ہے۔ اس لئے غلط نظام کی پیدا کردہ خرابیوں کا علاج اسی صورت میں ممکن ہے، کہ اسے صحیح نظام سے بدلا جائے ــ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱/۱۱۵) ــ خدا کا بتایا ہوا طریق علاج ہے۔ یعنی سیات کے دور کرنے کا طریق یہ ہے کہ انہیں حسنات سے بدل دیا جائے۔ حسنات صحیح معاشرہ کے کاروبار کا نام ہے۔ صحیح معاشرہ میں، افراد کی چھوٹی موٹی لغزشوں کے نقصانات ان کے حسنِ عمل کے عالمگیر نتائج سے ڈھک جاتے ہیں۔ (۵۳/۳۲) لہٰذا، جب تک ہم اپنے موجودہ غلط نظام معاشرت، نظام معیشت

نظامِ سیاست وغیرہ کو قرآنی نظام سے نہیں بدلیں گے، معاشرہ کی خرابیاں دور نہیں ہو سکیں گی۔ صحیح قرآنی نظام ہیں، صوم وصلوٰۃ اور حج اور زکوٰۃ سب اپنے اپنے خوشگوار نتائج مرتب کرتے ہیں۔ غلط نظام میں یہ محض رسومات بن کر رہ جاتی ہیں۔ اور جب ان کا کوئی زندہ نتیجہ سامنے نہیں آتا تو یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔ کہ ان سے ثواب ہوتا ہے۔ جو آخرت میں ہماری نجات کا ذریعہ بنے گا۔

میری دعوت یہ ہے کہ موجودہ غیر قرآنی نظام کی جگہ قرآنی نظامِ زندگی قائم کیا جائے تاکہ معاشرہ کی خرابیاں دور ہوں۔ ہمیں دنیا میں خوشگواری اور سرفرازی کی زندگی نصیب ہو اور ہماری عاقبت بھی سنورے ـــ اس دعوت کی مخالفت ہر اس گروہ کی طرف سے ہوتی ہے ـــ خواہ وہ مذہب پرستوں کا ہو یا دنیا داروں کا ـــ جو غیر قرآنی معاشرہ ہی میں اپنا مفاد دیکھتے ہیں۔ اور قرآنی معاشرہ میں انہیں اپنا وجود خطرہ میں نظر آتا ہے۔

اس سلسلہ میں اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تمام مخالفت میں، میں کسی سے ذاتی طور پر قطعاً نہیں الجھتا۔ میری مخالفت بھی اصول کے لئے ہوتی ہے اور موافقت بھی اصول کی خاطر۔ اس تگ و تاز میں میں ذاتیات کو درمیان میں لاتا ہی نہیں ـــ قرآن کریم جب لَآ اِلٰہَ کہہ کر دنیا کے ہر صاحبِ اقتدار کی نفی کرتا ہے، تو اس سے اس کا مقصود کسی سے ذاتی مخاصمت یا نفرت نہیں ہوتا۔ وہ ہر اس اصولی نظریہ یا نظام کی مخالفت کرتا ہے جس میں قوانین خداوندی کے علاوہ کسی اور کو صاحبِ اقتدار تسلیم کیا جائے ـــ ملوکیت، سرمایہ داری یا مذہبی پیشوائیت سے میری مخالفت اسی لَآ اِلٰہَ کے اصول کی متابعت کی وجہ سے ہے تاکہ اس انکار سے اِلَّا اللّٰہ کے مثبت مقام تک قوم کو لے جایا جا سکے۔

انقلابی آواز

یہ ہے عزیزانِ گرامی قدر! مختصر الفاظ میں میری وہ دعوت جسے میں قریب تیس سال سے مسلسل پیش کئے چلا آ رہا ہوں جس دن میں نے اس قرآنی فکر کو پیش کرنے کا فیصلہ کیا تھا مجھے اس کا اچھی طرح سے علم تھا کہ اس کی کس قدر مخالفت ہوگی ـــ جو شخص لوگوں کے سامنے اُن کے مروجہ عقائد اور نظریات پیش کرتا ہے، پہلے ہی دن ایک انبوہِ کثیر اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُسے ان کا مسلّمہ

لیڈر، راہ نمائے شریعت یا مرشدِ طریقت بن جانے میں کسی قسم کی کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ لیکن جو شخص اُن کے غلط عقاید اور غیر صحیح اعمال کی تردید کر کے، انہیں ایسے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے جو ان کی پامال راہوں سے ہٹا ہوا ہے، وہ دنیا بھر کی مخالفت مول لیتا ہے۔ میری اپنی پہلی زندگی خود انہی پامال راہوں میں گزری تھی۔ اس لئے ایک ہجوم کو اپنے پیچھے لگا لینا، اور ایک بہت بڑی جماعت کھڑی کر کے اس کا قائد بن جانا میرے لئے کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ لیکن میری قرآنی بصیرت کچھ اور کہہ رہی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں ان تمام نگاہ فریب جاذبیتوں اور دامن گیر کششوں سے منہ موڑ کر قرآن کی آواز پر لبیک کہوں۔ اور اس طرح دنیا جہان کی مخالفت مول لے لوں۔ میں نے یہ فیصلہ سب کچھ جانتے بوجھتے، سوچتے سمجھتے کیا، اور مجھے اس پر کبھی افسوس نہیں ہوا۔

سوال یہ ہے کہ میں نے مقبولیتِ عامہ کا وہ آسان راستہ چھوڑ کر ان پُرخار وادیوں کو اختیار کیوں کیا۔ اس کا بنیادی جواب تو یہی ہے کہ جب کسی کے سامنے صداقت آ جائے، تو خود صداقت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اُسے عام کیا جائے خواہ اس میں کتنی ہی مشقتیں کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔ دوسرے یہ کہ تاریخ اقوام کے مطالعہ سے میں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اب مذہب کا دور ختم ہو چکا ہے[1] مذہب تاریکیوں میں پنپتا ہے۔ جوں جوں علم کی روشنی پھیلتی جاتی ہے، مذہب، چمگادڑ کی طرح آنکھیں بند کرتا چلا جاتا ہے۔ بادنیٰ تدبر یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ دنیا کے تمام مذاہب ایک ایک کر کے ختم ہو گئے یا ختم ہوتے جا رہے ہیں ـــــ بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں ـــــ یہ تو دین کا خاصہ ہے، کہ وہ علم کی روشنی میں اور زیادہ چمکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے، ہم بھی اپنے دین کو مذہب کی سطح پر لے آئے ہیں۔ اس لئے جب دنیا کے دیگر مذاہب باقی نہیں رہے، تو یہ مذہب کیسے باقی رہ سکے گا؟ فطرت کے قانون کے مطابق، ہر وہ نظریہ جو زمانے کے تقاضوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

مذہب کے ختم ہو جانے کے بعد، اگر اُس قوم کے سامنے دین نہ ہو، تو وہ دہریت اختیار کر لیتی ہے۔ اس وقت یورپ کی سیکولر مملکتوں اور کمیونسٹ سلطنتوں کے ساتھ یہی ہوا ہے۔ ان دونوں میں، سیاست مستقل اقدار سے الگ ہو جاتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ (علامہ اقبال کے الفاظ میں) "چنگیزیت" کے سوا کچھ نہیں ہوتا

---

[1] جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا ہے کہ خدا کی طرف سے دین عطا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بعد مذہبی پیشوائیت اسے پامال کر کے، مذہب میں تبدیل کر دیتی ہے۔

دہریت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ خاص ایسی قوم کو تباہ نہیں کیا کرتی، اس کا اثر بڑا دور رس ہوتا ہے جب اقتدار کسی ایسی قوم کے ہاتھ آجائے جو مستقل اقدارِ حیات پر ایمان نہ رکھتی ہو، تو اس سے دنیا جس جہنم میں مبتلا ہو جاتی ہے اس کے شعلے ہم آج ساری دنیا میں مشتعل دیکھ رہے ہیں۔ میری نگہِ بصیرت یہ دیکھ رہی ہے کہ مذہب کے ساتھ جو کچھ یورپ میں ہوا ہے، وہی کچھ اب پاکستان میں ہونے والا ہے ——— یہاں اس وقت جو آپ مذہبی پیشوائیت کا جوش و خروش دیکھ رہے ہیں یہ مذہب کی حرکتِ مذبوحی اور رقصِ بسمل سے زیادہ کچھ نہیں۔ مجھے خطرہ یہ ہے کہ اگر اس وقت قوم کے سامنے خدا کا دین نہ لایا گیا تو یہاں بھی دہریت چھا جائے گی۔ میری انتہائی آرزو اور کوشش یہ ہے کہ قبل اس کے کہ دہریت کا بڑھتا ہوا سیلاب ادھر کا رُخ کرے، یہاں مذہب کو دین سے بدل دیا جائے تاکہ دنیا میں ایک خطۂ زمین تو ایسا ہو جو خدا کی پروردگاری کا مظہر بن سکے۔ یہ ہے میرا وہ احساس اور اس کے ماتحت میری یہ آرزو اور ارادہ، جس کی بنا پر، میں دنیا جہان کی مخالفت مول لے کر، مروجہ مذہب کے ایک ایک گوشے کو سامنے لاتا اور اس کی جگہ دینِ خداوندی پیش کئے جا رہا ہوں، اس امید پر کہ ——— ہجر کی رات ہوتی ہے تو سحر بھی ہوگی ——— لہٰذا میری دعوت اور پیغام کا ملخص (کم از کم) پاکستان میں، انسانوں کے خود ساختہ مذہب کی جگہ خدا کے عطا کردہ دین کی حکمرانی کو قائم کرنا ہے۔

جب میں نے پہلے پہل یہ آوازِ بلند کی تو اپنے آپ کو تنہا پایا ——— بالکل تنہا ——— لیکن قرآن کریم کی صداقتوں پر یقینِ محکم نے میری دستگیری کی اور ان جانکاہ تنہائیوں کے باوجود، میں نے کبھی اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کیا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی نویدِ حیات بخش، مجھے پکارتی ہوئی آگے بڑھاتی چلی گئی ——— مجلہ طلوعِ اسلام، لاکھوں کی تعداد میں شائع شدہ پمفلٹ، میری تصانیف، تقاریر، خطبات، مذاکرات، نجی گفتگوئیں، اس فکر کی نشر و اشاعت کے ذرائع تھے۔ آہستہ آہستہ یہ فکر فضا میں پھیلتی اور رفتہ رفتہ قلوبِ سلیم میں اترتی چلی گئی۔ اور ایک ایک، دو دو کر کے مجھے رفیقِ سفر ملنے شروع ہو گئے۔ جب ان کی تعداد کچھ زیادہ ہو گئی تو بعض رفقاء نے یہ تجویز پیش کی کہ بجائے اس کے کہ ہم انفرادی طور پر اس فکر کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں، کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ایک بستی یا شہر کے رہنے والے متفقینِ فکر، اجتماعی طور پر اس کی نشر و اشاعت کریں۔ تجویز معقول تھی۔ اسے اختیار کر لیا گیا۔ اور یوں طلوعِ اسلام کی بزموں کا وجود عمل میں آ گیا۔

طلوعِ اسلام کی بزمیں

طلوعِ اسلام کی بزمیں، نہ سیاسی پارٹیاں ہیں، نہ مذہبی فرقے۔ نہ ہی انہیں کسی سیاسی

پارٹی یا مذہبی فرقہ سے تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی یہ عملی سیاست میں حصہ لیتی ہیں۔ ان بزموں کا مقصد اِس قرآنی فکر کی اجتماعی طور پر نشر و اشاعت ہے۔ اور بس ـــ انہیں یونہی سمجھئے جیسے بزم اقبال جس کا مقصد فکرِ اقبال کی نشر و اشاعت ہوتا ہے۔ میرے پیشِ نظر صرف فکری انقلاب ہے اور یہی وجہ ہے کہ میرے پیغام کا اولیں مخاطب قوم کا تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ ہے۔

اس تحریک کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس نے نہ کبھی پبلک سے چندہ مانگا ہے نہ قربانی کی کھالیں، صدقات و زکوٰۃ کے پیسے جمع کئے ہیں۔ اس کے مرکزی اخراجات پورے کرنے کا بنیادی ذریعہ میری کتابوں کی آمدنی ہے۔ یا کسی ہنگامی ضرورت کے لئے احباب کا تعاون و بزموں کے اراکین اپنی اپنی جگہ اس فکر کی نشر و اشاعت کا انتظام خود کرتے ہیں۔ اس تحریک کی یہی وہ بنیادی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے یہ، اس قدر عالمگیر مخالفت کے باوجود، کسی مقام پر رکی نہیں۔ دن بدن آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔

میری پوزیشن

اس سلسلہ میں اتنا اور واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری پوزیشن، قرآن کریم کے ایک ادنیٰ طالبِ علم اور مبلغ کی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں نے قرآن کریم پر غور و فکر کیا ہے اور اسی غور و فکر کے نتیجے کو میں اوروں تک پہنچاتا ہوں۔ اپنی فکر کو نہ میں حرفِ آخر سمجھتا ہوں، نہ سہو و خطا سے منزہ ـــ جو مجھے میری کسی غلطی سے آگاہ کرے میں اس کا شکرگزار ہوتا ہوں لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ مجھے یہ بتایا جائے۔ کہ میری پیش کردہ فکر کس طرح قرآن کریم کے خلاف ہے کیونکہ میرے نزدیک دین میں سند خدا کی کتاب ہے۔ مجھے نہ مامور من اللہ ہونے کا دعوےٰ ہے نہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے کسی قسم کی الگ اور ممتاز حیثیت کا زعم ـــ قرآن کریم نے ایمان کے جو اجزائے خمسہ متعین کئے ہیں ـــ یعنی خدا، ملائکہ، انبیاء، کتب اور آخرت ـــ ان پر میرا ایمان ہے۔ اور ایمان ہے ان تصریحات کے مطابق جنہیں خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ اور میری دعوت کی حدِ آخر یہ ہے کہ وہی نظریۂ زندگی، وہی نظامِ حیات مستحقِ حمد و ستائش ہو سکتا ہے جو خدا کی صفتِ ربّ العالمینی کا مظہر ہو۔

تعلیمی اکیڈیم

خدا کی اس صفتِ ربّ العالمینی کو ایک زندہ حقیقت بنانے کے لئے ـــ بالفاظِ دیگر اسلام

کو بہ حیثیت ایک نظامِ زندگی متشکل کرنے کے لئے ـــــ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اس فکر کو زیادہ سے زیادہ عام اور اس تصور کو اجاگر کیا جائے۔ اس وقت تک میں نے یہی کیا ہے۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ یہ ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کریں کہ اس نظامِ خداوندی کا قیام ان کے جذبات کا تقاضا، ان کی آرزوؤں کا مرکز، ان کی کوششوں کا محور، اور ان کی زندگی کا مقصد بن کر ان کے دل کی گہرائیوں سے اُبھرے ـــ بدقسمتی سے ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم بڑا ناقص اور ہماری ابھرنے والی نسلوں کے لئے سمِ قاتل ہے۔

ہمارا نظامِ تعلیم

میں نے اس اٹھارہ برس میں، قوم کی توجہ اس اہم اور بنیادی مسئلہ کی طرف منعطف کرانے کی کوشش کی، لیکن دیکھا یہ کہ قوم کو سرِ دست، کسی سنجیدہ معاملہ کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں۔ اس نے زیادہ سے زیادہ کیا تو اتنا کہ اسکولوں اور کالجوں میں، اسلامیات کے پیریڈ کا اضافہ کر دیا۔ یا اُسے ایم۔ اے میں ایک مضمون کی حیثیت دے دی۔ اس "اسلامیات" نے نوجوان طالب علموں کو اور بھی مذہب گزیدہ بنا دیا۔ پہلے اگر وہ دین سے بیگانہ تھے تو اب وہ اس سے متنفر ہو گئے۔ اور اس کے بعد یکسر سرکش ـــ یہ ہیں وہ نوجوان جو اس وقت قوم کے لئے ایک مسئلہ (پرابلم) بن رہے ہیں ـــ (حالانکہ یہ پرابلم خود قوم ہی کی پیدا کردہ ہے) یہی ہیں وہ نوجوان جو آئندہ چل کر خود ایک قوم بن جائیں گے۔

ان حالات میں میں نے سوچا کہ اگر مروّجہ نظام و نصابِ تعلیم کو ملک گیر حیثیت سے بدلنا میرے بس میں نہیں، تو کم از کم، میں ایک ایسی درسگاہ (کالج) کے قیام کی کوشش کروں جس میں صحیح قرآنی تصورات کے مطابق تعلیم و تربیت کا انتظام ہو جس میں طریقۂ تعلیم یہ ہو کہ طالب علم طبیعات پڑھیں یا عمرانیات، تاریخ پڑھیں یا فلسفہ ـــ وہ معاشیات کا مطالعہ کریں یا سیاسیات کا ـــ غرضیکہ وہ علم کے کسی شعبہ سے متعلق کیوں نہ ہوں، انہیں یہ بتایا جائے کہ علم کا یہ شعبہ اس پروگرام کی تکمیل میں کس طرح ممد و معاون ہو سکتا ہے جسے قرآن نے انسانی زندگی کا مقصود و منتہا قرار دیا ہے

یہ پروگرام اس کے سوا کیا ہے کہ ـــ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے، انہیں وحیٔ خداوندی کی روشنی میں نوعِ انسان کی منفعتِ عامہ کے لئے صرف کیا جائے ـــ بالفاظِ دیگر، اس تعلیم و تربیت کے ذریعے طالب علموں کے دل و دماغ میں اس حقیقت کو راسخ کر دیا جائے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو وحی کی متعین کردہ مستقل اقدار کے تابع رکھنا ہی شرفِ انسانیت کا ضامن ہو

سکتا ہے۔ اس سے ان کی سیرت میں وہ پختگی، اور کردار میں وہ پاکیزگی پیدا ہو جائے گی جس کے فقدان کا ہم اس وقت اس قدر رونا روتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ جب تک اس انداز کی اپنی یونیورسٹی قائم نہ ہو، اس کالج میں عام تعلیم یونیورسٹی کے منظور شدہ قاعدے کے مطابق دی جائے، تاکہ وہاں کا فارغ التحصیل طالب علم زندگی کے کسی شعبے میں دوسرے کالجوں کے طالب علموں سے پیچھے نہ رہ جائے۔ یاد رکھیئے۔! میں اپنی قوم کے نوجوانوں کی طرف سے مایوس نہیں ہوں۔ ان میں بڑی صلاحیتیں ہیں۔ لیکن یہ ہماری غلط تعلیم اور تربیت کا نتیجہ ہے کہ ان کی یہ صلاحیتیں صحیح اقدار کے ساحلوں کے اندر رہ کر، جوئے حیات بخش بننے کے بجائے، حدود نا آشنا سیلاب بے پناہ بن جاتی ہیں جس کا نتیجہ تباہیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ان کی صلاحیتوں کو انسانیت ساز اقدار کا پابند بنا دیا جائے تو آپ دیکھیئے کہ یہی نوجوان، کس طرح تقدیر ملت کے درخشندہ ستارے نہیں بن جاتے۔!

میرے پیش نظر کالج کا مقصود یہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی عمر کے اس آخری حصہ میں، اپنی قوم کے بچوں اور بچیوں کو لے کر بیٹھ جاؤں، اور کم از کم، آنے والی نسلوں کے لئے ایک طیب اور صالح خمیر تیار کر جاؤں ـــ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْمِ ـــ اس مقصد کے لئے "قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی" کے نام سے ایک سوسائٹی بنائی گئی ہے جسے حکومت کے ہاں سے رجسٹرڈ کرا لیا گیا ہے۔ ۲۵ بی گلبرگ (لاہور) اس سوسائٹی کا دفتر ہے اور محترم مرزا محمد خلیل صاحب اس کے خزانچی جن کے نام پر عطیہ جات موصول ہوتے ہیں۔ اس سوسائٹی کے قواعد و ضوابط چھپ چکے ہیں۔ اور اس اسکیم میں دلچسپی لینے والے حضرات انہیں سوسائٹی کے دفتر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس میں دیئے جانے والے عطیات کو، سنٹرل گورنمنٹ نے، انکم ٹیکس سے بھی مستثنےٰ قرار دے دیا ہے۔ یہ سوسائٹی، ادارۂ طلوع اسلام سے الگ ہے اور اپنی جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا حساب کتاب بھی الگ ہے۔!

یہ ہے عزیزان من! میرے سامنے (یوں کہیئے کہ) میری زندگی کا آخری نصب العین۔ لیکن اس کا حصول، ظاہر ہے کہ میرے اکیلے کے بس کی بات نہیں۔ میں ان تمام احباب سے، جو میری قرآنی فکر سے متفق ہیں اور اس درسگاہ کی اسکیم کو مفید خیال کرتے ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے اس سوسائٹی سے تعاون کریں۔ اگر آپ احباب کی رفاقت سے یہ درسگاہ قائم ہو گئی تو مجھے یقین ہے کہ یہ، ہمارے تعلیمی نظام میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مثال کا کام دے گی۔

اس سے ہماری قوم ایک نیا موڑ مڑ جائے گی۔ اس سے تاریخ کے دھارے کا رُخ بدل جائے گا۔ اور اس میں حصّہ لینے والوں کا نام زمانے کے صفحات پر سورج کی کرنوں سے لکھا جائے گا جس طرح سرسیّد کا دارالعلوم تشکیلِ پاکستان پر منتج ہوا، چہ عجب کہ یہ درسگاہ پاکستان کو ایک صحیح اسلامی مملکت میں تبدیل کرنے کا موجب بن جائے۔

یہ ہے برادرانِ عزیز! میرا آخری پیغام۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

وہ کتابیں جن سے اسلام کا صحیح تصور سامنے آجاتا ہے

لغات القرآن — قرآن کریم کے تمام الفاظ کا مستند، واضح اور حقیقی مفہوم جس سے قرآنی تعلیم نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ قرآن کی ڈکشنری نہیں بلکہ ڈکشنری کے انداز میں اس کی تفسیر ہے۔ پہلی تین جلدوں کی قیمت - پندرہ روپے فی جلد۔ چوتھی جلد کی قیمت - بارہ روپے۔ مکمل سیٹ کی یکجائی قیمت پچاس روپے۔

اسلام کیا ہے؟ — دین کے بنیادی تصورات کا نہایت حسین اور دلکش مرقع۔ قسم اعلیٰ (آٹھ روپے) جیبی ایڈیشن (چار روپے)۔

قرآنی فیصلے — زندگی کے مختلف مسائل اور معاشرہ کے معاملات کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔ بڑی معلومات افزا کتاب ہے۔
جلد اوّل (تین روپے پچیس پیسے) جلد دوم (تین روپے پچیس پیسے) جلد سوم (تین روپے)۔

سلیم کے نام خطوط — ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دل میں اسلام کے متعلق طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان سوالات کا نہایت سادہ اور دلکش خطوط کے انداز میں جواب۔ مذہب گزیدہ نوجوانوں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے بڑی کامیاب کوشش ہے۔
جلد اوّل (آٹھ روپے) جلد دوم (چھ روپے) جلد سوم (چھ روپے)۔

انسان نے کیا سوچا؟ — افلاطون سے لیکر اس وقت تک کے مختلف مفکرین، مورخین اور سائنسدانوں نے زندگی کے مسائل کے متعلق کیا کہا ہے۔ کیا وہ انسانی دنیا کی گتھیاں سلجھا سکے ہیں؟ یہ کتاب آپ کو سینکڑوں کتابوں سے بے نیاز کر دے گی۔ قیمت: بارہ روپے

نظام ربوبیت — انسانی زندگی کا پہلا مسئلہ روٹی کپڑے کا ہے۔ کیا یورپ یا روس کا نظام اس مسئلہ کا اطمینان بخش حل پیش کر سکا ہے؟ قرآن اس کا کیا حل پیش کرتا ہے۔ معاشی دنیا کی انقلاب آفریں کتاب ہے۔ (چار روپے)

ابلیس و آدم — آدم - ملائکہ - ابلیس - شیطان - جنات - وحی - نبوت کے متعلق قرآنی تصورات۔ (آٹھ روپے)

من و یزداں — خدا کیا ہے - انسان کیا ہے - ان دونوں کا تعلق کیا ہے - تقدیر کسے کہتے ہیں - دعا کا مفہوم کیا ہے۔ (دس روپے)

برق طور — صاحب ضرب کلیمؑ اور فرعون کی آویزش - بنی اسرائیل کے عروج و زوال کی داستان، جو یوں کہئے کہ خود ہماری داستان ہے۔ (چھ روپے)

شعلۂ مستور — حضرت عیسیٰؑ کی بصیرت افروز داستانِ حیات - کیا آپ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے؟ کیا آپ ابھی تک زندہ ہیں؟ کیا آپ دوبارہ تشریف لائیں گے؟ (چھ روپے)۔

سلسبیل — پرویز صاحب کے خطابات اور مقالات کا فکر انگیز مجموعہ۔ (آٹھ روپے)

فجر الاسلام / ضحی الاسلام — مصر کے نامور مورخ علامہ احمد امین (مرحوم) کی معرکۃ آراء تصانیف کا اردو ترجمہ۔ زمانہ قبل از اسلام سے لیکر شباب اسلام تک کی تحقیقاتی داستان۔ ان کتابوں نے عالم اسلام میں بڑی شہرت حاصل کی ہے۔
(فجر الاسلام (آٹھ روپے) ضحی الاسلام (پانچ روپے)

الفتنۃ الکبریٰ — مصر کے شہرہ آفاق (نابینا) مورخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی شہرہ آفاق کتاب کا اردو ترجمہ۔ عہد حضرت عثمانؓ کے خونچکاں واقعات کا پس منظر اور اس کے اسباب۔ ان واقعات کا ذمہ دار کون تھا؟ (چھ روپے)۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - ۲۵/بی - گلبرگ - لاہور

پرویز صاحب کی عمر بھر کی قرآنی فکر کا ماحصل

انقلاب انگیز کتابیں

سلیم کے نام خطوط

ہمارا تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ ایک عجیب کشمکش میں گرفتار ہے۔ اسلام کے متعلق اس کے دل میں سینکڑوں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں لیکن اسے ان کا کہیں سے اطمینان بخش جواب نہیں ملتا۔ جب وہ اس طرح مذہب سے متنفر ہو جاتا ہے تو ہم اسے کوسنے لگ جاتے ہیں۔ اسے کوسئے نہیں۔ یہ کتاب دیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہ کس طرح صحیح اسلام کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ خطوط کا انداز بڑا دلکش اور ہلکا پھلکا ہے۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ کاغذ مجلد پہلی جلد آٹھ روپے دوسری و تیسری جلد [illegible]
([illegible] روپے فی جلد)

انسان نے کیا سوچا؟

کیا تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت کر سکتی ہے؟ اس اہم اور پیچیدہ سوال کا جواب یونان کے فلاسفروں سے لے کر ہمارے زمانے کے مفکرین اور سائنسدانوں نے کیا دیا ہے؟ یہ کتاب آپ کو سینکڑوں کتابوں سے مستغنی کر دے گی۔ بڑی تقطیع خوبصورت ٹائپ۔
عمدہ سفید کاغذ مجلد (بارہ روپے)

لغات القرآن

یہ قرآنی الفاظ کی صرف ڈکشنری نہیں۔ یہ ان کا مستند اور واضح مفہوم پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ ان الفاظ سے قرآن کس قسم کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کی تعلیم کیا ہے۔ اس کی دعوت کیا ہے۔ قرآن نے انسان کو کیا دیا ہے۔ یہ اس کا مقام کیا متعین کرتا ہے۔ چار جلدوں کی یہ کتاب قرآنی حقائق اور علوم حاضرہ کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ سفید کاغذ۔ خوبصورت جلد۔ پہلی تین جلدوں کی قیمت پندرہ روپے فی جلد۔ چوتھی جلد بارہ روپے۔ مکمل سیٹ چھپ چکے ہیں۔

عہد آفریں کتابیں

بصیرت افروز کتابیں

سلسبیل

پرویز صاحب کے خطبات اور مقالات نے ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ میں عجیب و غریب انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ سلسبیل انہی خطبات و مقالات کا دلکش مجموعہ ہے جس میں زندگی کے مختلف گوشے ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ ایسی کتابیں عہد آفریں ہوتی ہیں۔ کتابت طباعت کاغذ عمدہ۔ قیمت مجلد آٹھ روپے

اسلام کیا ہے

یہ مسائل کی کتاب نہیں۔ یہ آپ کو بتائے گی کہ اسلام کے بنیادی تقاضے کیا ہیں۔ وہ کس قسم کا معاشرتی، معاشی، سیاسی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کی رو سے انسانی پیدائش کا مقصد کیا ہے اور اس کی غرض و غایت کیا۔ اور معاشرہ میں عورت کا صحیح مقام کیا ہے۔ (قسم اعلیٰ - آٹھ روپے)
(سستا ایڈیشن - چار روپے)

معلومات افزا کتابیں

ناظم
ادارہ طلوع اسلام ــ ۲۵/بی گلبرگ ــ لاہور